وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ

وفاق المدارس

ملتان

جلد نمبر ۲۱ شمارہ نمبر ۶ جمادی الثانی ۱۴۴۵ھ جنوری ۲۰۲۴ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی وہاڑی گیٹ ملتان
شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

قضیہ فلسطین اور امتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں	شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم	۳
مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ کا اجلاس	شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم	۹
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدریس کے نمایاں اسلوب	مولانا ڈاکٹر انس عادل خان	۱۸
نامور محدّث و محقق شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ	مولانا مفتی محمد یاسر عبداللہ	۳۱
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے	مولانا محمد طاہر سورتی	۴۲
فضلائے مدارس اور ان کا معاشی مستقبل	محمد اَحمد حافظ	۴۵
ڈنمارک پارلیمنٹ کا مستحسن فیصلہ	محمد اَحمد حافظ	۴۹
سرزمین اقصیٰ عہد بہ عہد	مولانا عبدالصمد سراج	۵۲
شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد قاسم رحمہ اللہ	مولانا شکیل احمد ظفر	۵۹

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر۔ سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر۔ ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر۔

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ: 500 روپے

قضیہ فلسطین اورامتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ضبط وترتیب: جناب راشد حسین

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

۲۱ رجمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ (مطابق ۶ دسمبر ۲۰۲۳ء) بدھ کے روز کنونشن سینٹر اسلام آباد میں مختلف مکاتبِ فکر کے علمائے کرام اور دینی جماعتوں کے قائدین کا مشترکہ اجتماع: ''حرمتِ مسجدِ اقصیٰ اورامتِ مسلمہ کی ذمہ داری'' کے عنوان سے منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے بھی شرکت فرمائی اور انتہائی بصیرت افروز اور ولولہ انگیز خطاب فرمایا۔ یہ خطاب ہدیہءقارئین ہے۔(ادارہ)

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا و مولانا محمد خاتم النبیین و امام المرسلین وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین، وعلٰی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین، اما بعد!

حضراتِ علمائے کرام، زعمائے ملت اور معزز حاضرین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

اس وقت الحمدللہ ہم سب ایک ایسے موضوع پر گفتگو کرنے اور سننے کے لیے جمع ہیں جو اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ پاکستان کے 22 کروڑ عوام میں سے ایک ایک کے دل کی دھڑکن ہے، اور وہ ''قضیہءفلسطین'' ہے۔ مجھ سے پہلے الحمدللہ بڑی ولولہ انگیز تقریریں ہوچکی ہیں، بہت سے معاملات پر اظہارِ خیال بھی کیا جاچکا، تجاویز بھی پیش کی گئیں۔ الحمدللہ سب اس بات پر یک زبان ہیں کہ اسرائیل نے جو وحشت اور بربریت کا مظاہرہ غزہ کے شہریوں کے ساتھ کیا ہوا ہے وہ انسانیت کی تمام قدروں کو پامال کررہا ہے، اور اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ناپاک دشمن کے دل سے انسانیت کی ادنیٰ سے ادنیٰ قدر بھی تباہ ہوچکی ہے۔ سب نے اس پر مذمّت کا اظہار کیا، میں ان سب باتوں کو دہرانے کے بجائے آپ حضرات کی توجہ چند مختصر نکات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں اور جو چند غلط فہمیاں پیدا ہورہی ہیں، میں ان کو مختصراً دور کرنا چاہتا ہوں۔

جنگ بندی کا نہیں بلکہ بمباری بند کرنے کا مطالبہ ہونا چاہیے:

ایک بات یہ ہے کہ تمام دنیا کی طرف سے، مختلف عالمی تنظیموں کی طرف سے، یہاں تک کہ ہماری مسلم دنیا کی نمائندہ تنظیم او آئی سی کی طرف سے بھی جو قرارداد آئی ہے، وہ جنگ بندی کی قرارداد ہے۔ جنگ بندی کے معنی یہ ہیں کہ اسرائیل کو بھی جنگ سے روکا جائے اور حماس کو بھی جنگ سے روکا جائے، جنگ بندی کا عام مفہوم یہی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمیں مطالبہ صرف غزہ پر بمباری کرنے سے روکنے کا کرنا چاہیے، جنگ بندی کا نہیں۔ حماس کے جانباز اور سرفروش مجاہدین اپنے پیدائشی حق کے تحت اور اسلام کے نام پر فلسطین کے پورے خطے کو اسرائیل کے تسلط سے آزاد کرانے کے لیے نکلے ہیں۔ یہ جنگ بند ہونے والی جنگ نہیں ہے، یہ جنگ ختم ہونے والی جنگ نہیں ہے۔ یہ اس وقت تک جاری رہے گی، اور رہنی چاہیے جب تک کہ اسرائیل کا قبضہ پورے فلسطین سے ختم نہیں ہو جاتا۔

لہٰذا ہمارا مطالبہ جنگ بندی کا نہیں، اگر اسرائیل شہریوں پر بمباری کرنے کے بجائے کھلے میدانِ جنگ میں آ کر حماس کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے، مقابلہ کرے۔ جنگ جاری رہے گی اور جب تک اس کے تمام ٹینک تباہ نہیں ہو جاتے، جب تک اس کی تمام آلیات ختم نہیں ہو جاتیں، اس وقت تک ان شاء اللہ حماس مقاومت کا سلسلہ جاری رکھے گا۔ لہٰذا کسی باشعور مسلمان یا انسان کی زبان پر جنگ بندی کے مطالبے کے بجائے بمباری کے بند کرنے کا مطالبہ ہونا چاہیے۔ اسرائیل اپنی شکست کو چھپانے کیلئے اور اپنے نقصانات کا بدلہ بے گناہ شہریوں، عورتوں، بچوں سے لے رہا ہے، جو کہ جنگی جرائم میں شامل ہے، لہٰذا اس کا مطالبہ ہونا چاہیے۔ جنگ بندی ہمارا مطالبہ نہیں ہے، جنگ ان شاء اللہ جاری رہے گی اور فتح تک جاری رہے گی۔

دو ریاستی حل کا مغالطہ انگیز مطالبہ:

دوسرا نقطہ جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بار بار حکمرانوں کی زبانوں سے بھی، اور بعض مرتبہ غلط فہمی کی بنیاد پر امن پسند لوگوں کی طرف سے بھی فلسطین کے دو ریاستی حل کی بات ہوتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ فلسطین میں دو ریاستیں قائم ہوں۔ ایک اسرائیل کی ریاست اور ایک فلسطین کی ریاست۔ یہ بالکل مغالطہ انگیز مطالبہ ہے، ہم اس کی کھل کر تردید کرتے ہیں۔ ہم روزِ اول سے اسرائیل کے قیام کے خلاف ہیں۔ ہمارے بانی پاکستان نے روزِ اول سے اسرائیل کے وجود کو مغربی طاقتوں کا ناپاک بچہ قرار دیا تھا اور آج تک ہم اس نظریے پر قائم ہیں۔ لہٰذا یہ فیصلہ کہ اسرائیل نے جن علاقوں کو فتح کر لیا ہے، وہ اس کے رہیں اور غزہ اور اور غربیہ کے اندر فلسطین کی ریاست قائم ہو جائے، یہ ہرگز ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں ہے، لہٰذا دو ریاستی حل کی جو بات کی جاتی ہے اس سے ہمیشہ پرہیز کیا جائے۔

حماس کوایک انفرادی جماعت یا گروہ سمجھنے کی غلط فہمی:

تیسری بات یہ کہ ساری دنیا میں، یہاں تک کہ مغربی پروپیگنڈے کے زیر اثر مسلمان حکومتوں میں بھی ایک انتہائی زبردست غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ وہ غلط فہمی مغربی ممالک کے ایک پروپیگنڈے کے تحت ہے، اور مغربی ممالک کا اور خاص طور پر امریکہ کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ جب کوئی قوم کسی غاصب کے قبضے کے خلاف جدوجہد کے لیے کھڑی ہوتی ہے تو وہ اس کو دہشت گرد، ارہابی، اور Terrorist قرار دے کر دنیا میں بدنام کرتے ہیں، یہی معاملہ ہمارے کشمیر کے مجاہدین کے ساتھ ہوا ہے۔ ہمارے کشمیر کے حریت پسندوں کو Terrorist قرار دیا گیا اور دیا جا رہا ہے۔ اور افغانستان کے اندر افغانستان کے طالبان کو ایک مدتِ دراز تک Terrorist کہا گیا، یہاں تک کہ آخر میں گھٹنے ٹیک کر، ان کو اپنا مقابل سمجھ کر، ان کے ساتھ میز پر بیٹھ کر بات کی گئی اور اس طرح الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فتح کا راستہ ہموار کیا۔

یہی صورتحال فلسطین میں ہو رہی ہے کہ حماس الحمدللہ ایک سیاسی طاقت ہے۔ وہ کوئی صرف لڑنے والے جنگجوؤں کا گروپ نہیں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ بعض مرتبہ اطلاعات کے ذرائع میں ان کے مجاہدین کو جنگجوؤں کا نام دیا جاتا ہے۔ وہ درحقیقت مجاہدین ہیں، جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اور ابھی جناب اسماعیل ہانیہ صاحب نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ان میں سے بیشتر افراد قرآن کریم کے حافظ ہیں، اور انہوں نے بتایا کہ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کو بہت سی سورتیں الحمدللہ حفظ ہیں۔ اور انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کی خاص طور پر دینی تربیت کی جاتی ہے، حماس میں شامل ہونے سے پہلے ان کو دینی اور اصلاحی تربیت سے گزارا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت مجاہدین ہیں جو دفاعی جہاد لڑ رہے ہیں، اور چونکہ دفاعی جہاد لڑ رہے ہیں اس لیے انہوں نے ان کا نام ''ارہابی'' ''ٹیررسٹ'' اور ''دہشت گرد'' رکھ دیا ہے۔ حقیقت میں دہشت گرد اسرائیل ہے، حقیقی دہشت گرد اسرائیل ہے، جس نے 75 سال سے فلسطین کی سرزمین پر قتلِ عام کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ لہٰذا خوب سمجھ لیجئے کہ یہ کہنا کہ حماس ایک انفرادی جماعت ہے، ایک گروہ ہے اور وہ کسی حکومت کی نمائندگی نہیں کرتی، یہ مغالطہ انگیز بات ہے۔ حماس پورے فلسطین کے باشندوں کی نمائندگی کرتی ہے، لہٰذا اس غلط فہمی سے بھی اپنے آپ کو ہمیشہ محفوظ رکھنا چاہیے۔

پوری دنیا کے مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت:

چوتھی بات یہ کہ میں شریعت کا حکم آپ حضرات کے سامنے عرض کرتا ہوں۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے کسی خطے پر کوئی قابض ہو جائے یا حکمران ہو جائے، تو اس خطے کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہے، اور وہ جہاد پہلے اس خطے کے مسلمانوں پر فرض ہے اور اس کے بعد اس کے پاس رہنے والے مسلمانوں پر فرض ہے، اور اس طرح درجہ

بدرجہ جتنے مسلمان ہیں ان سب پر جہاد اپنی استطاعت کے مطابق فرض ہو جاتا ہے۔ میں اس بات کا ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے آپ حضرات کے سامنے اعلان کرتا ہوں کہ حسبِ استطاعت تمام مسلمانوں پر- جو جہاں بھی رہتا ہو- اس پر اس معنیٰ میں جہاد فرض ہے کہ وہ جو مدد ان کو پہنچا سکتا ہو، وہ مدد پہنچائے۔

میں آپ حضرات کے سامنے قرانِ کریم کی دو آیتیں پڑھتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ سارے مسلمانوں کے لیے اس اجتماع کا پیغام ہونا چاہیے۔ قرانِ کریم سورہ نساء میں فرماتا ہے:

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًاo اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ اللّٰهِ (النساء: ۷۵،۷۶)

اور (اے مسلمانو) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجیے، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجیے۔

قرآن ان عورتوں، بچوں اور مردوں کا حوالہ دے کر تمام مسلمانوں کو خطاب کر کے کہہ رہا ہے کہ: ''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں جہاد نہیں کرتے؟۔'' اسی طرح سورہ توبہ میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (التوبۃ: ۲۴)

(اے پیغمبر! مسلمانوں سے) کہہ دو کہ: اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، اور تمہارا خاندان، اور وہ مال و دولت جو تم نے کمایا ہے اور وہ کاروبار جس کے مندا ہونے کا تمہیں اندیشہ ہے، اور وہ رہائشی مکان جو تمہیں پسند ہیں، تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے، اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں۔ تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرما دے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے ہم سب کو ایک تازیانہ دیا ہے جو اس موقع پر صادق آتا ہے۔

اہلِ فلسطین کی مالی امداد کی ضرورت:

اس موقع پر یہ بات مجھ سے پہلے بہت سے علماء کرام نے اور زعماء نے کہی ہے اور اس پر افسوس کا اظہار کیا ہے

کہ مسلمانوں پر اتنا زبردست ظلم ہو رہا ہے، بچوں کی حالت دیکھی نہیں جاتی، عورتوں کی حالت دیکھی نہیں جاتی، اور ہم اور ہماری حکومتیں اس پر صرف زبانی اور ساتھ ساتھ کچھ امدادی کارروائیوں تک محدود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی مزید توفیق دے، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں، لیکن اس موقع پر افسوس ہے کہ جو فیصلہ کُن معاملہ کرنا چاہیے تھا، ابھی تک ہماری حکومتیں اور ہمارے حکام وہ فیصلہ نہیں کر سکے جس کی طرف اسماعیل ہانیہ صاحب نے بھی اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہمیں ضرورت نہیں کہ آپ ہمارے علاقے پر آ کر حملہ کریں، انہوں نے صاف صاف ابھی تقریر میں یہ بات کہی، لیکن وہ چاہتے ہیں کہ آپ غزہ کے مسلمانوں کو اور غزہ کے مجاہدین کو جتنی امداد پہنچا سکتے ہوں، ہم آپ سے اس کی درخواست کرتے ہیں کہ اس میں کمی نہ کریں۔

آج صحیح فیصلہ کرنے کا تاریخی لمحہ ہے

آخری بات جو میں آپ حضرات سے انتہائی انکساری کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی ہمارے اس اجتماع میں مسلمان حکمرانوں کے اوپر تنقید ہوئی اور بڑی حد تک بجا ہوئی۔ تنقید بے شک ہمارا حق ہے اور ہم اس بات کے مکلّف ہیں کہ اپنے حکمرانوں تک وہ بات پہنچائیں جسے ہم حق سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اس موقع پر ہم ان سے مخاصمت کی فضا میں نہیں بلکہ مفاہمت کی فضا میں اور نصیحت کی فضا میں بات کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ ہمارے دین نے ہمیں کہا ہے ''النصح لکل مسلم'' یعنی ہر مسلمان کیلئے نصیحت اور خیر خواہی پیشِ نظر ہونی چاہیے۔ اس میں ''النصح لاولی الامر'' یعنی امراء کو نصیحت کرنا بھی اہلِ علم کا کام ہے۔ میں اس نصیحت کے تحت عرض کرتا ہوں کہ میرا دل یہ کہہ رہا ہے، اور میں اپنے دل کو ٹٹول کر، اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے رجوع کر کے، اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے، اللہ تبارک وتعالیٰ سے استخارہ کر کے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ تاریخ میں بعض اوقات کچھ لمحات ایسے آتے ہیں کہ ان لمحات میں اگر صحیح فیصلہ نہ کیا جائے تو صدیوں تک اس کا نقصان بھگتنا پڑتا ہے۔ مشہور مصرع ہے جو کسی نے کہا ہے کہ:

''لمحوں نے خطا کی ہے صدیوں نے سزا پائی''

تاریخ میں ایسے لمحات آتے ہیں جہاں ہمت وجراءت سے کام لے کر اور جفاکشی کو اپنا شعار بنا کر کوئی صحیح فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ صحیح فیصلہ اس وقت نہ کیا جائے تو صدیوں تک اس کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج تاریخ کا ایسا ہی لمحہ ہے۔

آپ جانتے ہیں اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ پورا عالم اسلام؛ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک، پورا عالم اسلام اس وقت مغرب کی غلامی کا شکار ہے۔ کیا کوئی شخص اس بات کا انکار کر سکتا ہے کہ ہم غلامی کی زندگی بسر کر

رہے ہیں؟ اقتصادی اعتبار سے، فوجی اعتبار سے، سیاسی اعتبار سے، ہر اعتبار سے ہم غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آخر یہ غلامی کب تک چلے گی؟ مراکش سے انڈونیشیا تک عالمِ اسلام کا حال یہ ہے کہ اللہ نے ان کو جو قدرتی وسائل عطا فرمائے ہیں وہ کسی اور قوم کو نہیں دیے، یہ دنیا کے بیچوں بیچ واقع ہیں، ان کے پاس وہ شاہراہیں ہیں جن کے ذریعے یہ دوسروں کا ناطقہ بند کر سکتے ہیں۔ آبنائے فاسفورس ان کے پاس ہے، نہر سویز ان کے پاس ہے، خلیج عدن ان کے پاس ہے، آبنائے ہرمز ان کے پاس ہے، اور دنیا کا سب سے زیادہ زرِ سیال یعنی تیل ان کے پاس ہے، گیس ان کے پاس ہے، دولتیں ان کے پاس ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

کیوں غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں؟ اس لیے کر رہے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا تھا یارسول اللہ جب یہ زمانہ آئے گا کہ مسلمان سیلاب میں بہتے ہوئے تنکوں کی طرح ہوں گے اور دشمن پھر بھی ان پر یلغار کر رہے ہوں گے تو اس کی کیا وجہ ہوگی؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ ان کا موت سے ڈرنا اور زندگی سے محبت کرنا اور جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دینا، اس کی وجہ ہوگی۔ آج ہم اسی صورتحال سے دوچار ہیں۔

خدائی امریکہ کی نہیں ہے، خدائی اللہ کے پاس ہے:

آج حماس کے جانبازوں نے ہمارے لیے ایک موقع فراہم کیا ہے، آزادی کا، حریت کا، اور مغربی جوئے کو اپنے کندھوں سے اتار دینے کا انہوں نے ہمیں یہ موقع فراہم کیا ہے۔ اگر سارا عالم اسلام متحد ہو کر ان کا ساتھ دے اور اس کے لیے مشترک دفاعی پالیسی بنائے، تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ امریکہ اور برطانیہ اور دیگر مغربی طاقتیں کچھ نہیں کر سکتیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ خدائی امریکہ کی نہیں ہے، خدائی امریکہ کے پاس نہیں آ گئی۔ خدائی اللہ کے پاس ہے۔ سپر پاور نہیں، اللہ سپریم پاور ہے۔ لہٰذا اگر ہم ایک مرتبہ اس بات کا فیصلہ کر لیں کہ پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے تو باندھیں گے، جفاکشی کے اقدامات کرنے پڑے تو کریں گے، ہم ان شاءاللہ گولیوں کا سامنا کریں گے، بموں کا سامنا کریں گے، تو نہ امریکہ ہمیں شکست دے سکتا ہے، نہ دنیا کی کوئی اور طاقت ہمیں شکست دے سکتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں یہ حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس حقیقت کو سمجھ کر اپنی غلامی کے دور کو ختم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

☆☆☆

مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ کا اجلاس

اہم فیصلے......اور نصاب تعلیم (بنین) میں ترامیم کی منظوری

منعقدہ ۲۰ / جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ مطابق ۵ دسمبر ۲۰۲۳ء

بمقام جامعہ دارلہدیٰ گولڑہ ریلوے اسٹیشن اسلام آباد

شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

(1)......اراکین مجلس شوریٰ کی آراء کی روشنی میں مجلس عاملہ نے شوریٰ کے دیئے گئے اختیار کے مطابق نصاب تعلیم بنین کی حتمی منظوری دے دی۔ یہ نصاب نئے تعلیمی سال شوال المکرّم 1445ھ سے نافذ العمل ہوگا اور 1446ھ کا امتحان اسی کے مطابق ہوگا۔

(2)......امسال 1445ھ کے لیے قدیم فاضلات کے امتحان کی اجازت سابقہ شرائط اور طریقہ کار کے مطابق دی گئی ہے۔

(3)......حفظ کا سالانہ امتحان 22 تا 29 جنوری 2024ء منعقد ہوگا۔

(4)......گزشتہ سال مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا تھا کہ امتحان حفظ کے چھ سوال ہوں گے۔ تاہم مدارس کی آراء پر دوبارہ غور وخوض کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ امتحان کے کل نمبر 100 جس میں سے پختگی کے 60 نمبر ہوں گے۔ بیس بیس نمبروں کے تین سوال ہوں گے۔ کامیابی کے لیے 60 میں سے 30 نمبر یعنی ہر سوال میں سے 10 نمبر حاصل کرنا ضروری ہوں گے۔

صفات اور مخارج کے 30 میں سے (چالیس فیصد) 12 نمبر لینا ضروری ہوں گے۔ مسائل کے دس نمبر ہوں گے۔ مسائل کی راہنمائی کے لیے نماز حنفی (مولفہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ) اور تعلیم الاسلام حصہ اول (مولفہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ) معیار ہوں گی۔

(5)...... بنات کے نصاب تعلیم پر نظر ثانی کی جائے گی۔ مدارس بنات اس سلسلہ میں تحریری تجاویز و آراء جمادی الاخریٰ کے اختتام تک دفتر وفاق کو ارسال کریں۔

(6)......حفظ کے امتحان کا معیار بلند کرنے کے لیے حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب دامت برکاتہم نائب صدر وفاق و سربراہ امتحانی کمیٹی حفظ نے درجہ حفظ کا جامع امتحانی نظم مرتب کیا ہے۔1445ھ سے مرکزی دارالحکومت اور صوبائی دارالحکومتوں میں عملدرآمد کیا جائے گا۔ تدریجاً اس کو پورے ملک میں نافذ کیا جائے گا۔

(7)......شعبہ حفظ کے امتحان کے لیے امتحانی مراکز قائم کیے جائیں گے۔ امتحانی مرکز کے لیے شہر میں کم سے کم 100 اور دیہات میں 50 تعداد ہونی چاہیے۔

اگر کہیں مشکلات ہوں اور مرکز کے علاوہ مسئول کہیں امتحان کروانا چاہے تو ناظم کی مشاورت سے ہوگا۔ صوبائی ناظم کی منظوری مرکزی دفتر کو بھجوائی جائے۔

(8)......حفظ کے امتحانی مرکز میں ممتحن اعلیٰ کا تقرر ہوگا جو کہ امتحانی نظم کا نگران اور ذمہ دار ہوگا۔ امتحان کے دوران حفظ کے ممتحن اعلیٰ، معیار امتحان کا جائزہ لیں گے اور چیک کریں گے کہ نمبر ٹھیک دیے جارہے ہیں یا نہیں۔

اور نگران اعلیٰ کا تقرر ہوگا جو کہ بیرونی نظم کا ذمہ دار ہوگا۔

(9)......مدارس میں معیار تعلیم، نظام تعلیم اور تدریب پر خصوصی توجہ دی جائے۔ مدارس کوشش کریں کہ حفظ کے لیے اچھے اساتذہ کا تقرر کریں۔ جنہوں نے تجوید کے ساتھ حفظ کیا ہو اور درس نظامی اور قراءۃ عشرہ سے فارغ التحصیل ہوں۔

(10)......ایسے طلبہ جو درس نظامی کے ساتھ تجوید کا نصاب پڑھ رہے ہیں۔ انہیں ضمنی امتحان میں تجوید کا امتحان دینے کی اجازت ہوگی۔

نصابِ تعلیم وفاق المدارس العربیہ پاکستان

﴿برائے بنین﴾

منظور کردہ اجلاس مجلس شوریٰ و عاملہ، منعقدہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ، ۵ دسمبر ۲۰۲۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نصاب کمیٹی نے زیر صدارت صدر وفاق حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ، اپنے دو اجلاسوں میں ''وفاق'' کے نصاب تعلیم درس نظامی (بنین) پر غور و خوض کیا اور ترامیم تجویز کیں۔

پہلا اجلاس مورخہ 24 صفر المظفر 1444ھ مطابق 21 ستمبر 2022ء کو جامعہ دارالعلوم کراچی میں منعقد ہوا۔ جس

میں درجہ اولیٰ تا درجہ ثانویہ خاصہ سال دوم کے نصاب پر غور وخوض کیا گیا۔

دوسرا اجلاس مورخہ 15، 16 ربیع الثانی 1444ھ مطابق 11، 12 نومبر 2022ء کو اسلام آباد میں منعقد ہوا۔ جس میں درجہ عالیہ سال اول تا درجہ عالیہ سال دوم کے نصاب تعلیم پر غور وخوض کیا گیا۔ نیز پہلے اجلاس کی کارروائی کی توثیق کے ضمن میں تحتانی درجات سے متعلق بعض امور پر نظر ثانی کر کے تجاویز حتمی کی گئیں۔

نصاب کمیٹی کے مذکورہ دونوں اجلاسوں کے نتیجے میں مرتب ہونے والی تجاویز مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 12، 13 شوال المکرّم 1444ھ مطابق 3، 4 مئی 2023ء پیش کی گئیں۔ مجلس عاملہ میں نظر ثانی کے بعد طے کیا گیا کہ مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد نصابی ترامیم کو نافذ کیا جائے گا۔

مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس منعقدہ 29 محرم الحرام 1445ھ مطابق 17 اگست 2023ء میں مجوزہ نصابی ترامیم کی منظوری دی اور یہ طے کیا کہ اراکین شوریٰ اپنی تحریری تجاویز بھجوائیں گے ان کو ملاحظہ کرنے کے بعد مجلس عاملہ جو بھی فیصلہ کرے گی وہ حتمی ہوگا۔

چنانچہ مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ 20 جمادی الاولیٰ 1445ھ مطابق 5 دسمبر 2023ء میں، اراکین شوریٰ کی تجاویز کی روشنی میں حتمی کیا۔ یہ نصاب نئے تعلیمی سال شوال المکرّم 1445ھ سے نافذ العمل ہوگا اور 1446ھ کا امتحان اسی کے مطابق ہوگا:

(مولانا) محمد حنیف جالندھری

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

نصاب تعلیم بنین

ثانویہ عامہ ...... ''میٹرک'' ...... (سال اول)

نمبر شمار	مضامین	نیا منظور شدہ نصاب
01	نحو	علم النحو / نحو میر فارسی / عربی، شرح مائۃ عامل مع الترکیب
02	صرف	میزان الصرف ومنشعب / ارشاد الصرف اردو یا علم الصرف تین حصص
03	تمرین الصرف	صفوۃ المصادر، تیسیر الابواب
04	تمرین النحو	المنہاج فی القواعد والاعراب، النحو الیسیر، تسہیل النحو

05	لغۃ عربیہ وحفظ حدیث	الطریقۃ العصریہ جلد اول ودوم، حفظ جوامع الکلم (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ)
06	تجوید	جمال القرآن، حفظ پارہ عم نصف آخر مع التجوید

ہدایات:

نوٹ: درجہ اولیٰ میں گھنٹہ پچاس منٹ کا ہوگا۔

الطریقۃ العصریہ کا ترجمہ نہیں ہوگا بلکہ عربی تکلم کے انداز میں پڑھایا جائے گا۔ اس کا پرچہ عربی میں ہوگا۔ اس کے علاوہ مستقل ایک گھنٹہ عربی حوار کا ہوگا۔ عربی حوار کے لیے راہنما کتب: **العربیة بین یدیک** اور **العربیة للناشئین**۔

درجہ اولیٰ میٹرک پاس طلبہ کے لیے ہے۔ حوار کے گھنٹہ میں انہیں نماز کے مسائل سکھلائے جائیں گے، مسائل کی راہنمائی کے لیے تعلیم الاسلام کتاب ہوگی۔

جمال القرآن کے ساتھ تجوید کی مشق لازم ہوگی۔ 50 نمبر جمال القرآن اور 50 نمبر حفظ پارہ عم نصف آخر مع التجوید کے ہوں گے۔

میٹرک پاس طلبہ میں فارسی سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے تیسر المبتدی اور فارسی کا آسان قاعدہ پڑھایا جائے گا۔

ثانویہ عامہ ...... ''میٹرک'' ...... (سال دوم)

نمبر شمار	مضامین	نیا منظور شدہ نصاب
01	ترجمہ ومختصر تفسیر وتجوید	ترجمہ پارہ عم، فوائد مکیہ، حفظ ومشق پارہ عم نصف اول مع التجوید
02	لغۃ عربیہ وانشاء و حدیث	القراءۃ الراشدہ جلد اول (تمارین قراءۃ الراشدہ شائع کردہ وفاق المدارس) معلم الانشاء جلد اول، زاد الطالبین کامل زاد الطالبین کے الباب الاول (کی ابتدا) سے حفظ 40 احادیث
03	فقہ	مختصر القدوری از ابتداء تا کتاب البیوع (کتاب العبادات) واز کتاب النکاح تا آخر کتاب النفقات

04	صرف	علم الصیغہ مع خاصیات ابواب
05	نحو	ھدایۃ النحو کامل
06	منطق	تیسیر المنطق، مرقاۃ

ہدایات:

(1) درجہ ثانویہ عامہ سال دوم میں بھی عربی حوار کا ایک گھنٹہ ہوگا۔ جس کے لیے راہنما کتب: **العربیہ بین یدیک** اور **العربیۃ للناشئین**۔

(2) تفسیر کے پرچے میں نمبروں کی تقسیم درج ذیل ہوگی:

لفظی ترجمہ مع مختصر تفسیر پارہ عم 50 نمبر، حفظ پارہ عم نصف اول مع التجوید 30 نمبر، قواعد تجوید از فوائد مکیہ 20 نمبر

استاذ اس بات کا اہتمام کرے کہ تفسیر مختصر ہو، طوالت سے گریز کرے۔

(3) معلم الانشاء کی مشقوں پر توجہ دی جائے اساتذہ مشقوں کی کاپیاں اہتمام سے چیک کریں۔

(4) القراءۃ الراشدہ کی تمارین کا اہتمام کیا جائے۔

(5) خاصیات ابواب کو علم الصیغہ سے پہلے، سال کے آغاز میں پڑھایا جائے۔ نیز خاصیات ابواب میں ادارہ کو اختیار ہے کہ جس بھی کتاب سے پڑھائیں۔

(6) ہدایۃ النحو سے مکمل تین سوال ہوں گے۔ البتہ تمرینات کے لیے تسہیل الادب سے استفادہ کیا جائے۔

ثانویہ خاصہ ...... ''ایف اے'' ...... (سال اول)

نمبر شمار	مضامین	نیا منظور شدہ نصاب
01	ترجمہ و مختصر تفسیر وحدیث	ترجمہ و تفسیر از سورہ عنکبوت تا پارہ عم ریاض الصالحین از کتاب الادب تا اختتام کتاب آداب السفر ریاض الصالحین سے حفظ احادیث، حدیث نمبر 689 تا 707، 721 تا 730، 733 تا 743 تک (قدیمی کتب خانہ) چالیس احادیث
02	فقہ	قدوری از کتاب البیوع تا آخر کتاب (ماسوا کتاب النکاح تا آخر کتاب النفقات)
03	اصول فقہ	اصول الشاشی، مبادی الاصول (مولانا سعید احمد پالنپوری)
04	نحو	کافیہ

05	منطق و عقیدہ	شرح تہذیب، متن عقیدۃ الطحاویہ
06	لغۃ عربیہ وادب	نفحۃ العرب تا اختتام قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام (صفحہ 1 تا 220) معلم الانشاء جز ثانی

ہدایات:

(1) ترجمہ قرآن کریم لفظاً ہوگا بامحاورہ نہیں ہوگا۔مختصر تفسیر میں ان امور کو ملحوظ رکھا جائے گا:

حل اللغات، ترکیب، شان نزول، استنباط احکام۔

(2) کافیہ کو پڑھاتے ہوئے قیل وقال سے گریز کیا جائے۔

(3) ہفتہ میں تین یوم نفحۃ العرب اور تین یوم معلم الانشاء کو پڑھایا جائے۔

(4) متن عقیدۃ الطحاویہ کو پڑھاتے وقت ''شرح العقیدۃ الطحاویۃ بتحقیق عبدالسلام بن عبدالہادی'' کو سامنے رکھیں۔

(5) معلم الانشاء کی مشقوں پر توجہ دی جائے اساتذہ مشقوں کی کاپیاں اہتمام سے چیک کریں۔

ثانویہ خاصہ ...... ''ایف اے'' ...... (سال دوم)

نمبر شمار	مضامین	نیا منظور شدہ نصاب
01	ترجمہ ومختصر تفسیر و حدیث	ترجمہ وتفسیر از سورہ یونس تا اختتام سورہ قصص۔ ریاض الصالحین از کتاب العلم تا آخر کتاب حفظ احادیث، حدیث نمبر 1373 تا 1396، 1511 تا 1520، 1542 تا 1544، 1547 تا 1549، 1567 تا 1569 (قدیمی کتب خانہ) چالیس احادیث
02	فقہ	کنز الدقائق
03	اصول فقہ	نور الانوار تا قیاس
04	نحو	شرح جامی از ابتدا تا مبنیات مع مقدمہ
05	بلاغۃ ومنطق	علم المعانی از دروس البلاغۃ، علم البیان وعلم البدیع از البلاغۃ الواضحۃ قطبی از مقدمہ تا آخر تصورات۔
06	لغۃ عربیہ وانشاء	مقامات حریری دس مقامے

ہدایات:

(1) ترجمہ قرآن کریم لفظاً ہوگا بامحاورہ نہیں ہوگا۔مختصر تفسیر میں ان امور کو ملحوظ رکھا جائے گا:

حل اللغات، ترکیب، شان نزول، استنباط احکام۔

(2) کنز الدقائق کے دو گھنٹے ہوں گے۔

(3) پانچویں پرچے میں ایک سوال دروس البلاغۃ سے، ایک سوال البلاغۃ الواضحۃ سے اور ایک سوال قطبی سے ہوگا۔

(4) معلم الانشاء جلد ثالث کی متبادل کتاب کا جلد انتخاب کیا جائے گا۔

عالیہ ...... ''بی اے'' ...... (سال اول)

نمبر شمار	مضامین	نیا منظور شدہ نصاب
01	ترجمہ ومختصر تفسیر و حدیث	سورہ فاتحہ تا اختتام سورۃ توبہ آثار السنن از ابتداء تا کتاب الوتر حفظ احادیث از آثار السنن باب فی صلاۃ الجماعۃ حدیث نمبر 486 تا 512 (مکتبۃ البشریٰ) 27 احادیث
02	فقہ	ہدایہ جلد اول
03	اصول فقہ	حسامی تا قیاس، باب قیاس از نور الانوار تا آخر کتاب
04	بلاغۃ	مختصر المعانی مکمل
05	حدیث عقائد وفلسفہ	الانتباہات المفیدہ اردو، معین الفلسفہ (مولفہ مولانا سعید احمد پالنپوری) شرح عقیدۃ الطحاویہ للعلامہ اکمل الدین البابرتی، اسلامیت اور مغربیت میں کشمکش ابوالحسن علی ندویؒ
06	لغۃ عربیہ	دیوان متنبّی تا قافیۃ الدال، سبعہ معلقات پہلے تین معلقے

ہدایات:

(1) ترجمہ قرآن کریم لفظاً ہوگا با محاورہ نہیں ہوگا۔ مختصر تفسیر میں ان امور کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ حل اللغات، ترکیب، شان نزول، استنباط احکام۔

(2) ہدایہ اول میں نفس کتاب پر زیادہ توجہ دی جائے۔

(3)مختصر المعانی میں قواعد کے اجراء کا اہتمام کیا جائے۔

(4)الانتباہات المفیدہ اردو، (حل الانتباہات کا مطالعہ کر کے پڑھائیں)

(5)عالیہ سال اول کے پانچویں پرچے میں چار کتابیں ہیں۔ ہر کتاب سے ایک سوال 25 نمبروں کا ہوگا۔

عالیہ ...... "بی اے" ...... (سال دوم)

نمبر شمار	مضامین	نیا منظور شدہ نصاب
01	تفسیر	تفسیر جلالین مکمل
02	اصول تفسیر وحدیث وفرائض	الفوز الکبیر، خیر الاصول، سراجی، کتاب الآثار حفظ احادیث کتاب الآثار باب فضائل الصحابہ حدیث نمبر: 866 تا 882، حدیث نمبر: 887، 888 اس کے بعد حدیث نمبر 906 سے تا آخر کتاب (مکتبہ امدادیہ) 30 احادیث
03	فقہ	ہدایہ جلد ثانی
04	اصول فقہ	توضیح مکمل
05	عقائد وفلکیات	شرح عقائد ، علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج الہیئۃ الصغریٰ کے منتخب مباحث
06	لغۃ عربیہ وعروض	دیوان الحماسہ کے منتخب ابواب (شائع کردہ وفاق المدارس) متن الکافی، برائے مطالعہ اردو بحریں

ہدایات:

(1) جلالین سے مکمل تین سوال ہوں گے۔

(2) دوسرے پرچے میں چار کتابیں ہیں۔ ہر ایک کتاب سے 25 نمبروں کا سوال ہوگا۔تسہیل المیراث برائے مطالعہ ہوگی (از حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ)۔

(3)مولانا موسیٰ البازیؒ کی کتاب الہیئۃ الصغریٰ سے ضروری مباحث شامل نصاب کیے جائیں گے۔شرح عقائد کے دو سوال ہوں گے۔

(4)متن الکافی کو سال کے شروع میں پڑھایا جائے گا۔

(5)باب الحماسہ کی بجائے دیوان حماسہ کے منتخب ابواب نصاب میں شامل کیے گئے جو کہ دفتر وفاق کی طرف سے جلد شائع کر دیئے جائیں گے۔۔

عالمیہ ...... ''ایم اے'' ...... (سال اول)

نیا منظور شدہ نصاب	مضامین	نمبر شمار
التبیان فی علوم القرآن تیسیر مصطلح الحدیث، شرح نخبۃ الفکر آئینہ قادیانیت برائے مطالعہ	اصول تفسیر اصول حدیث	01
بیضاوی ربع پارہ اول	تفسیر	02
مشکوٰۃ المصابیح جلد اول، حفظ احادیث از مشکوٰۃ المصابیح۔ کتاب الایمان کی حدیث نمبر 2 تا 10، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کی ابتدائی چار احادیث، کتاب العلم کی ابتدائی چھ احادیث، کتاب الادب باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم سے الفصل الاول کامل۔ 38 احادیث	حدیث	03
مشکوٰۃ المصابیح جلد دوم	حدیث	04
ہدایہ جلد ثالث	فقہ	05
ہدایہ جلد رابع	فقہ	06

مجوزہ نصاب میں ہدایات: تیسیر مصطلح الحدیث کو شرح نخبۃ الفکر سے پہلے پڑھایا جائے۔

عالمیہ ...... ''ایم اے'' ...... (سال دوم)

نیا منظور شدہ نصاب	مضامین	نمبر شمار
صحیح بخاری	کتب حدیث	01
صحیح مسلم حفظ احادیث از مسلم شریف۔ باب خصال من اتصف بھن وجد حلاوۃ الایمان سے آخر باب الحث علی اکرام الجار والضیف، باب الوصیہ بالنساء (کامل)، باب النہی عن طلب الامارۃ وحرص علی سے دس احادیث۔ 27 احادیث		02
جامع الترمذی		03
سنن ابوداؤد		04
سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، شمائل ترمذی		05
موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی از ابتداء تا کتاب الزکوٰۃ		06

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدریس کے نمایاں اسلوب
سیرت نبوی کی روشنی میں

مولانا ڈاکٹر انس عادل خان

اس امت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات بے انتہاء ہیں، اور ان میں سب سے عظیم احسان احکام الٰہی کی تبلیغ ہے، جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معلم کی حیثیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیا، یوں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بہت سی خصائل کی مجموع تھی ان میں ایک بڑی صفت یہ بھی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک معلم اور استاد تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو انسانیت کے لیے اپنے آخری دین اور شریعت خالدہ کی تعلیم کے لیے منتخب فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین وشریعت کے لیے اپنے ظاہر و باطن، حال ومقال الغرض ہر حال میں لوگوں کے لیے معلم تھے، ایک معلم کو جن خصوصیات وصفات کا حامل ہونا ضروری ہے، آپ کی ذات مبارک اس کا ایک مثالی نمونہ تھی، اپنے اس مقالہ میں احقر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلمکے ان اسلوب تعلیم کو ذکر کیا ہے، جن پر عمل پیرا ہو کر کوئی بھی معلم، مدرس اور مبلغ اپنے فریضے کو احسن طریقے سے انجام دے سکتا ہے:

پہلا اسلوب فعل وعمل کا طریقہ اپنانا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم دیتے وقت ایسا سلجھا ہوا طریقہ اپناتے جو مخاطب اور سننے والے کے دل میں گھر کر جاتا عقل وفہم جلد ہی اس کا ادراک کر لیتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیمی منہج میں سب سے درخشاں پہلو عمل، سیرت حسنہ اور خلق عظیم کے ساتھ تعلیم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کے کرنے کا حکم صادر فرماتے تو پہلے خود اس پر عمل پیرا ہوتے بعد ازاں لوگوں کو اس کا حکم دیتے، چنانچہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی منشاء کے مطابق ایسا ہی عمل کرتے جس پر انہوں نے آپ کو دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بندوں کے لیے اخلاق کا ایک بہترین نمونہ بنایا، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ

اللّٰہَ کَثِیْرًا (سورہ احزاب:۲۱)۔

ترجمہ: ''بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ عمل ہے، اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت سے پُر امید ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔''

یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ تعلیم کے لیے فعل وعمل کا طریقہ اختیار کرنا ایک فطری اسلوب ہے، یہی طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیمی اسلوب کا سب سے نمایاں پہلو ہے، حافظ ابن حجرؒ کی کتاب "الاصابۃ فی تمیز الصحابہ" میں ہے کہ وثیمہ نے اپنی کتاب "الردّۃ" میں ابن اسحاق سے یہ بات نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس اسلام کی دعوت کے لیے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا، پھر عمرو بن عاص نے فرمایا:

"لقد دلنی علی هذا النبی الأمی أنه لا یأمر بخیر إلا کان أول آخذا به، ولا ینهی عن شر إلا کان أول تارک له، وأنه یغلب فلا یبطر، ویغلب فلا یهجر أی: لا یقول القبیح من الکلام– وأنه یفی بالعهد، وینجز الوعد، وأشهد أنه نبی ."()

یعنی اس نبی امی کے متعلق مجھ پر ایسا ظاہر ہوا ہے کہ وہ کسی کام کے کرنے کا حکم تب تک صادر نہیں کرتے تاوقتیکہ وہ اس پر پہلے خود عمل نہ کرے اور کسی شر سے تب تک منع نہیں کرتے جب تک کہ از خود سے نہ چھوڑیں اور وہ جب غالب ہوتا ہے تو چیر پھاڑ نہیں کرتا اور جب مغلوب ہوتا ہے تو غیر شائستہ و نازیبا باتیں نہیں کرتا، عہد اور وعدہ کی وفا کرتا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی برحق ہے۔

دوسرا اسلوب تدریج کی رعایت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم میں تدریج کی رعایت کو ملحوظ رکھتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اہم بات بتانے کے بعد دوسری اہم بات بتاتے اور اسی طرح مسائل ایک ایک کر کے آہستہ آہستہ بتاتے تا کہ اس کو جلدی اخذ کرنے میں سہولت ہو اور حفظ وفہم دونوں اعتبار سے اچھی طرح ثبت ہو۔

بخاری ومسلم کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إنک ستأتی قوما من أهل الکتاب فادعهم إلی شهادة أن لا إله إلا اللّٰه وإنی رسول اللّٰه، فإنهم أطاعوا لذلک فاعلمهم أن اللّٰه افترض علیهم صدقة، لیوخذ من أغنیائهم فترد علی فقرائهم، فإن أطاعوا لذلک فإیاک وکرائم أموالهم، واتق دعوة المظلوم فإنه لیس بینها وبین اللّٰه حجاب. (بخاری: کتاب الزکوۃ، ج:۲،ص:۵۴۴)

''بلاشبہ تمہارے پاس اہل کتاب میں سے ایک قوم آئے گی، پس تم انہیں اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں (محمد) اللہ کا رسول ہوں، چنانچہ اگر انہوں نے اس بات اکی اطاعت کی تو انہیں یہ بتا دینا کہ اللہ نے ان پر ایسا صدقہ فرض کیا ہے جوان کے مالداروں سے لے کران کے غریب لوگوں کی دیا جاتا ہے، پھر اگر انہوں نے یہ بات بھی مان لی تو تم ان کے قیمتی اموال کے لینے سے ڈرتے رہنا اور ان کے اموال کی صحیح نگہبانی کرنا اور مظلوم کی بددعا سے ڈرنا کیوں کہ اس کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔

تیسرا اسلوب مخاطب کی صلاحیت کے مطابق مخاطب ہونا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم متعلمین، مخاطبین اور سائلین میں علمی تفاوت اور امتیاز کا خصوصی طور پر خیال رکھتے اور ان میں سے ہر ایک سے اس کے علم وفہم اور اس کی لیاقت کے مطابق مخاطب ہوتے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبتدی کو ابتداء کچھ ہرگز نہ سکھلاتے جو منتہی کو سکھلاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سائل کے سوال کا جواب اس کے حال کے مناسب دیتے، بخاری نے کتاب العلم اور مسلم نے کتاب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا معاذ! (اس وقت حضرت معاذ بن جبل آپ کے ہمرکاب تھے) حضرت معاذ نے فرمایا: **لبیک یا رسول وسعدیک**، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دوسری بار) فرمایا: یامعاذ! اے معاذ، حضرت معاذ نے فرمایا:

لبیک یا رسول اللّٰہ وسعدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"ما من عبد یشهد أن لا إله إلا اللّٰه، وأن محمداً عبده ورسوله، صدقاً من قلبه إلا حرمه اللّٰه علی النار ."**

کوئی بندہ ایسا نہیں جو صدق دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں مگر یہ کہ اللہ اس پر آگ کو حرام کر دے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **"یا رسول اللّٰہ أفلا أخبر به الناس فیستبشروا ؟"** یعنی یا رسول اللہ! میں اس پر لوگوں کو آگاہ نہ کر دوں کہ خوش ہو جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"لا إذا یتّکلوا "** نہیں ورنہ لوگ اسی پر قناعت کر کے) توکل کریں گے۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۴۹)

چوتھا اسلوب مخاطب سے سوال کرنا:

بحث ومباحثہ اور آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نمایاں پہلو تھا، تاکہ اس کے ذریعے سامعین کو متنبہ کر کے ان کے دلوں میں جواب سننے کے لیے شوق وجذبہ پیدا کیا جائے، اور آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کا جواب (جب صحابہ کرام خود جواب دینے کی قدرت نہ رکھتے) ان کی سمجھ کے قریب اور دلوں میں اچھی طرح مستحکم ہوجاتا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا تم نے یہ دیکھا ہے کہ تم میں سے کسی ایک کے گھر کے دروازے کے سامنے نہر ہے، جس میں وہ ہر دن پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا ایسے میں (اس کے بدن پر) کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ کرام نے کہا: بالکل نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فذلک مثل الصلوات الخمس یمحو اللّٰہ بھن الخطایا ." (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۵۳۲)

پس یہ ان پانچ نمازوں کی مثال ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو مٹاتا ہے۔

اس حدیث شریف میں تعلیمی اسلوب کی ایک قسم (بحث ومباحثہ کے ذریعے) ایک معقول چیز کے لیے محسوس چیز کی مثال دی گئی ہے، تاکہ جو مسئلہ زیر بحث ہے وہ متعلم کے دل میں اچھی طرح جاگزیں ہوجائے، علاوہ ازیں مثال پیش کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ ایک آدمی جس طرح گندگی اور میل کچیل اپنے بدن سے صاف شفاف اور پاکیزہ پانی کے ذریعے ہٹاتا ہے، ایسے ہی پانچ نمازیں ہیں جو بندہ کو گناہوں کی گندگی سے پاک کرتی ہیں۔

پانچواں اسلوب ضرب المثل کا سہارا لینا:

اکثر وبیشتر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کو بیان کرنے کی خواہش رکھتے اسے اچھی طرح واضح کرنے کے لیے ضرب المثل کا سہارا لیتے، ایسی ضرب المثل جسے لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اپنی زبانوں سے اس کا ذائقہ چکھتے ہیں یا وہ ان کے حواس اور ہاتھوں میں آتا ہے، علمائے بلاغت کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ معانی کے رموز واسرار کو ظاہر کرنے، مشکل اور پیچیدہ باتوں سے پردہ اٹھانے میں ضرب الامثال کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مثل المؤمن الذی یقرأ القرآن کمثل الاترجة؛ ریحها طیب وطعمها طیب ومثل المؤمن الذی لا یقرأ القرآن؛ کمثل التمرة لا ریح لها وطعمها حلو ومثل المنافق الذی یقرأ القرآن مثل الریحانة؛ ریحها طیب وطعمها مر ومثل المنافق الذی لا یقرأ القرآن کمثل الحنظلة لیس لها ریح وطعمها مرٌّ ." (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۴۲۷)

ترجمہ: ''جو مومن قرآن کی تلاوت کرتا ہے، اس کی مثال "ترنج" نامی پھل کی طرح ہے جس کی خوشبو بہترین اور ذائقہ مزیدار اور لذیذ ہوتا ہے اور وہ مومن جو قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال اس کھجور کی طرح ہے جس کا

ذائقہ تو اچھا اور لذیذ ہوتا ہے، لیکن اس میں خوشبو کا نام ونشان تک نہیں ہوتا اور قرآن پڑھنے والے فاجر کی مثال "ریحانہ" پھول کی طرح ہے، جس کی خوشبو تو پاکیزہ اور اچھی ہوتی ہے لیکن اس کا ذائقہ کڑوا اور تلخ ہوتا ہے اور وہ منافق جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال "حنظلہ" پھول کی طرح ہے جس کا ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے اور اس میں خوشبو بھی نہیں ہوتی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ تشبیہات میں خیر اور بھلائی کی طرف چلنے کے لیے ایک بہترین و بلیغ ترغیب اور اس کے برعکس شر آمیز اور مذموم چیز سے دور رہنے کے لیے ایسی زجر آمیز تنبیہ دی ہے جسے مخاطب بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

چھٹا اسلوب نقشہ جات کا استعمال:

کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطلوبہ مسائل یا کسی قسم کی ضروری بات کی مزید توضیح وتسہیل کے لیے زمین پر نقشہ کھینچ کر صحابہ کرام کو تعلیم دیتے، امام احمد نے مسند میں حضرت جابر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث نقل کی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے زمین پر ایک لکیر کھینچی اور فرمایا:"هٰذا سبيل الله عز وجل "یہ اللہ کا راستہ ہے (یعنی حق اور رشد وہدایت کا راستہ ہے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لکیریں دائیں جانب اور دو بائیں جانب کھینچیں اور فرمایا کہ یہ شیطان کے راستے ہیں (یعنی سرکش اور خدا سے بغاوت کرنے والے شیطان دوست بدبختوں کے راستے ہیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیان میں کھینچی ہوئی لکیر پر ہاتھ رکھا اور قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: (مسند احمد، حدیث نمبر:۳۲۶)

وَأَنَّ هٰذا صِراطِیْ مُسْتَقِیماً فَاتَّبِعُوْهُ، وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْله، ذٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْن ."(سورۃ الانعام:۱۵۳)

یعنی یہ دین برحق میرا راستہ ہے جو سیدھا اور مستقیم ہے، رشد وہدایت اور فلاح پانے کی راہ یہی ہے سو اسی راہ پر چلو، اور دوسری راہوں پر مت چلو، کیوں کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کریں گی، اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم اس راہ سے ہٹ جانے اور اس کی حدود کی خلاف ورزی کرنے سے احتیاط کرو اور ڈرتے رہو"۔

ساتواں اسلوب مستقبل کے مسائل سے خبردار کرنا:

اکثر وبیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ان کے پوچھے بغیر مسئلہ کی افادیت کے پیش نظر ایک بات

شروع کر دیتے بالخصوص ایسے اہم امور میں جہاں تک صحابہ کرام کے ذہنوں کی رسائی نہ ہوتی یعنی صحابہ کو اس کی اہمیت کی طرف توجہ نہ ہوتی کہ آنے والے وقت میں اس قسم کے مسئلہ سے بھی ہمارا سابقہ پڑے گا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی حادثہ کے وقوع پذیر ہونے سے قبل ہی صحابہ کو اس کے شبہات کا ازالہ کر کے ان کے دلوں کی تشفی فرماتے تاکہ بعد میں کہیں ایسا نہ ہو کہ شکوک وشبہات سر اٹھائیں۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یأتی الشیطان أحدکم فیقول من خلق کذا؟ حتی یقول له: من خلق ربک؟ فإذا بلغ ذلک فلیستعذ باللّٰه ولینته ."(صحیح مسلم،حدیث نمبر:۱۳۴)

ترجمہ:"تم میں سے کسی کے پاس شیطان آئے گا اور کہے گا فلاں فلاں چیز کس نے پیدا کی ہے؟ یہاں تک کہ وہ یہ بھی کہہ دے گا تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب شیطان یہاں تک پہنچ جائے تو تم شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو اور اس قسم کو ذہن سے نکال دو"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ شیطان جب ایسے وسوسے دل میں ڈالے تو بندہ اللہ کی پناہ مانگتا ہے اور ایسے وسوسوں کو وہ جلد دور کر دیتا ہے،لیکن شیطان کے وسوسے ایسے ہیں کہ ان کی کوئی انتہا نہیں،انسان ایک دلیل سے شیطانی وساوس کو مات دینے کی کوشش کرتا ہے تو وہ دوسرے قسم کے خیالات اس کے دل پر سوار کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ حیران وسرگرداں ہو کر رہ جاتا ہے۔

آٹھواں اسلوب سوال کرنے کی ترغیب دینا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سائل کو اس کے سوال کا جواب دیا کرتے،آپ نے صحابہ کو شرائع واحکام اور دین اسلام کے اہم اور بنیادی امور کی تعلیم ان کے سوالات کے جواب میں دی ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس بات پر ابھارا کہ جب شرائع وفرائض میں سے کسی بھی چیز کی معرفت اور تعلیم کی ضرورت محسوس ہو تو وہ پوچھ لیا کریں، ابوداود کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إنما شفاء العی السؤال ."(سنن ابوداوٗد،ج:۱،ص:۴۹)''جاہل کی شفاء سوال میں ہے۔''

نواں اسلوب مخاطب کے اشکال کا جواب دینا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جب کسی شک وشبہ اور مشکلات میں پھنس جاتے تو اپنے ایمان کی زیادتی اور سمجھنے کے لیے آپ پر طرح طرح کے اشکالات کرتے اور آپ ان کے ہر سوال کا اس طرح جواب دیتے جن سے ان کے دل ٹھنڈے ہو جاتے۔

دینی معاملات میں صحابہ کے کیے ہوئے سوالات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات کا بیشتر ذخیرہ کتب حدیث میں موجود ہے، امام مسلم حضرت نواس بن سمعان الکلابی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

"أقمت مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالمدينة سنة ما يمنعني من الهجرة إلا المسألة، كان أحدنا إذا هاجر لم يسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن شيء، فسألته عن البر والإثم؟ فقال صلى اللّٰه عليه وسلم: البر حسن الخلق، والإثم ما حاك في نفسك وكرهت أن يطلع عليه الناس ."(صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۵۵۳)

ترجمہ: میں مدینہ منورہ میں ایک سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقیم رہا، میں نے صرف آپ سے مسائل پوچھنے کی خاطر ہجرت نہیں کی، کیوں کہ ہم میں سے جب کوئی ہجرت کر لیتا تو آپ سے کچھ نہ پوچھتا، چنانچہ میں نے آپ سے نیکی اور گناہ کا پوچھا کہ نیکی اور گناہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکی اچھے اور بہترین اخلاق ہیں اور گناہ یہ ہے کہ تمہارے دل میں شک وشبہ پیدا کرنے والی کوئی بات آئی اور تو نے اس پر لوگوں کو مطلع کرنا برا سمجھا۔

دسواں اسلوب سائل کے مطلوبہ جواب سے متعلق تمام اہم باتوں کو ملحوظ رکھنا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دیکھتے کہ سائل نے جس بات کے متعلق سوال کیا ہے، اس کے متعلق دیگر مسائل بھی اہمیت حامل ہیں اور سائل کو آنے والے وقت میں ان مسائل کی ضرورت بھی محسوس ہوسکتی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سائل کے مطلوبہ جواب سے تعلق رکھنے والی تمام اہم باتیں واضح فرمادیتے، یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں سمجھ اور تفقہ رکھنے والے شاگردوں کے ساتھ اپنی بے پایاں رحمت اور محبت والفت اور تعلیم کے سلسلے میں ان کے ساتھ ایک عظیم رعایت وعنایت کا مظہر ہے۔

امام ابوداود نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ قبیلہ بنی مدلج کے ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور پینے کے لیے جو پانی لے کر چلتے ہیں وہ ناکافی ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے ہمیں پیاس بجھانے کا بندوبست نہیں ہوتا، ایسی صورت میں ہم سمندر کے پانی سے وضو کرسکتے ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا:"هو الطهور مائه الحل ميتته"، اس کا پانی پاک اور مردہ حلال ہے۔ (سنن ابوداؤد، حدیث نمبر:۸۳)

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ "بنی مدلج" سے تعلق رکھنے والے ملاح کو اس کے سوال کا جواب دیا ہے کہ آپ اپنے ساتھ پینے کے لیے جو پانی لے کر جاتے ہیں اسے پینے کی حد تک محدود رکھیں اور وضو کے لیے سمندر کا پانی استعمال کریں۔

گیارہواں اسلوب بلیغ حکمت کے پیش نظر کیے گئے سوال سے دوسری طرف جانا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بلیغ حکمت عملی کے پیش نظر سائل کو اس کے کیے گئے سوال سے دوسری بات کی طرف لے چلتے۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"ما أعدت لها "**؟ کیا تو نے اس کے لیے تیاری نہیں کی؟ اس نے عرض کیا میں نے کثرت صلاۃ، صوم اور صدقہ کے ذریعے اگرچہ قیامت کے دن کے لیے تیاری نہیں کی ہے، لیکن میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"أنت مع من أحببت "** تم اس کے ساتھ رہو گے جس سے تم نے محبت کی۔ (صحیح البخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر: ٦١٦٧)

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو قیامت کے دن سے متعلق سوال سے (جس کا تعین اللہ تعالی نے اپنی ذات تک ہی محدود رکھا ہے) ہٹا کر ایک ایسی چیز کی طرف لے گئے جو ضرورت اور بیحد افادیت کے پیش نظر اس کے لیے قیامت کے وقت کی تعین سے زیادہ اہمیت کی حامل تھی کہ روزِ محشر میں حاضر ہونے کے لیے اچھے اور نیک اعمال کے ذریعے تیاری کرے۔

بارہواں اسلوب کیے گئے سوال کو مکرر دہرانا:

کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم رکھنے کے باوجود سائل سے اس کے سوال کو دوبارہ دہرانے کے لیے کہتے تا کہ اس ضمن میں دیا گیا جواب اس کی سمجھ میں اچھی طرح آ جائے، مسلم اور نسائی کی روایت ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے مجمع میں کھڑے ہو کر فرمایا:

"إن الجهاد فی سبيل الله والإيمان بالله أفضل الأعمال ."

ترجمہ: جہاد فی سبیل اللہ اور ایمان باللہ تمام اعمال میں سب سے افضل عمل ہے۔

یہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! **"إن قتلت فی سبيل الله تكفر عن خطاياى ؟"** اگر میں راہ خدا میں مارا جاؤں تو مرنے پر میرے گناہوں کی معافی ہو جائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"نعم إن قتلت فی سبيل الله وأنت صابر محتسب مقبل**

غیر مدبر"، ہاں اگر راہ خدا میں مارے جاؤ اور ایمان پر جمے رہو اور ثواب کی امید رکھو، دشمن کی جانب متوجہ رہو اور پشت پھیر کر نہ بھاگو۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیف قلت ؟" تم نے کیا کہا تھا؟ اس نے عرض کیا میں نے کہا تھا کہ اگر راہ خدا میں مارا جاؤں تو میرے گناہوں کی معافی ہو جائے گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں بشرطیکہ تم ایمان پر ثواب کی امید رکھتے ہوئے جمے رہو، دشمن کی جانب متوجہ رہو اور پشت پھیر کر نہ بھاگو "إلا الدین" مگر قرض معاف نہ ہوگا، "فإن جبریل قال لی ذلک"، کیوں کہ جبریل علیہ السلام نے مجھ سے ابھی یہی کہا تھا۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۸۸۵)

واضح رہے کہ قرض سے مراد وہ قرض ہے جسے قرض دار نے قرض خواہ کو پہنچانے کی نیت اور عزم نہ کیا ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کا تذکرہ کر کے حقوق العباد کی ادائیگی پر متنبہ فرما دیا، کیوں کہ حقوق العبا میں کوتاہی والا گناہ جہاد و شہادت سے ہرگز معاف نہیں ہوتا، جہاد اور شہادت سے صرف حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں۔

تیرہواں اسلوب مشق کی غرض سے حاضرین مجلس سے سوال حل کروانا:

علمی معاملات میں مشق اور ریاضت کرانے کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوال پوچھا جاتا وہ آپ حل کرنے کے لیے صحابہ کرام میں سے کسی بھی ایک کو سونپ دیتے، بخاری اور مسلم کی روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ احد کی طرف سے ایک آدمی آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ:

"إنی أری اللیلة فی المنام ظلة تنطف السمن والعسل، فأری الناس یتکففون منها بأیدیهم، فالمستکثر والمستقل، وأری سبباً واصلاً، من السماء إلی الأرض، فأراک أخذت به فعلوت، ثم أخذ به رجل من بعدک فعلا، ثم أخذ به رجل آخر فعلا، ثم أخذ به رجل آخر فانقطع به، ثم وصل له فعلا ."

میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ ایک ابر کے ٹکڑے سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے، لوگ اس سے اپنی لبوں کو سی لیتے ہیں، کوئی کم لیتا ہے، کوئی زیادہ اور میں نے دیکھا کہ آسمان سے زمین تک ایک رسی لٹکی، آپ اسے پکڑ کر اوپر چڑھ گئے، پھر آپ کے بعد ایک آدمی نے اسے پکڑا اور وہ بھی اوپر چڑھ گیا، پھر ایک آدمی نے اسے پکڑا اور وہ بھی اوپر چڑھ گیا پھر ایک اور آدمی نے اسے پکڑا تو وہ ٹوٹ گئی، پھر جڑ گئی اور وہ بھی اوپر چڑھ گیا۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے اس خوب کی تعبیر بیان کر دیجیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کی تعبیر بیان کرو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ ابر کا ٹکڑا تو اسلام ہے اور گھی اور شہد سے قرآن کریم کی حلاوت اور نرمی مراد ہے اور جو زیادہ اور کم لیتے تو وہ بعض کو قرآن کریم زیادہ یاد اور بعض کو کم اور رسی جو آسمان سے زمین تک لٹکی تو وہ دین حق ہے، جس پر آپ ہیں، پھر خدا اسی دین پر آپ کو بلائے گا، آپ کے بعد ایک اور شخص اسے تھامے گا، وہ بھی اسی طرح چڑھ جائے گا، پھر ایک اور آدمی اسے تھامے گا اس کا بھی یہی حال ہوگا، اس کے بعد اسے ایک شخص تھامے گا جس میں کچھ خلل واقع ہو جائے گا لیکن یہ خلل ختم ہو جائے گا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے بتایئے میں نے ٹھیک تعبیر بیان کی یا غلط؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أصبت بعضاً و أخطأت بعضاً"، کچھ ٹھیک بیان کیا اور کچھ غلط، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! خدارا بتلایئے کہ میں نے کیا غلطی کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا تقسم یا أبا بکر"، اے ابوبکر! قسم مت دو۔ (صحیح مسلم، کتاب الرؤیا)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کے ذیل میں تعلیمی فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

اس حدیث میں اس بات کے جواز کا اشارہ ملتا ہے کہ اگر خلوص، نیت پر مبنی کسی عالم کے ذہن میں کوئی مفید اور ٹھوس علمی نکتہ آجائے تو وہ اس کے بتانے میں تامل نہ کرے، علامہ ابن حابن نے بھی صحیح میں یہی معنی مراد لیے ہیں۔

چودھواں اسلوب حاضرین سے امتحان کی غرض سے سوال کرنا:

کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض اصحاب کا امتحان بھی لیتے، ان کی علمی ذکاوت کا اندازہ لگانے کے لیے کوئی سوال کر لیتے، اگر کوئی جواب دینے میں کامیاب ہو جاتا تو آپ اس کی تعریف کرتے اور حوصلہ بڑھاتے اور جواب دینے میں میاب ہو جانے پر بے پایاں محبت وشفقت کی وجہ سے اس کے سینے پر ہاتھ مارتے، مسلم کی روایت ہے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یا أبا المنذر أی آیة من کتاب اللّٰه معک أعظم؟" کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے نزدیک بڑی ہے؟ ابومنذر کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ فرمایا کون سی آیت کتاب اللہ کی تمہارے نزدیک بڑی ہے؟ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: میرے نزدیک "اللّٰه لا إله إلا هو الحی القیوم" سب سے بڑی ہے، راوی کہتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر تھپکی دی اور فرمایا: "لیهنک العلم" تمہیں علم مبارک ہو۔ (صحیح مسلم

، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۸۱۰)

پندرہواں اسلوب کسی عمل پر اظہار رضامندی کے طور پر خاموشی اختیار کرنا:

کسی عمل کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرنا یہ بھی سنت نبوی کی ایک نوع ہے، اصولیین اور علمائے محدثین اسے "تقریر" سے تعبیر کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی مسلمان سے قولا وفعلا کچھ ظاہر ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار رضامندی کے طور پر اس پر سکوت اور خاموشی اختیار کر لی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کی خاموشی اس عمل یا قول کے جواز کا اشارہ دے رہی تھی، بخاری کی روایت ہے:

حضرت ابوجحیفہ وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان اور ابو درداء رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا، حضرت سلمان فارسی حضرت ابودرداء سے ملاقات کے لیے گئے، وہاں جا کر آپ نے ام درداء کو کبیدہ خاطر پایا، ان سے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابودرداء کو دنیا سے کوئی واسطہ نہیں ہے یعنی عورتوں سے کنارہ کش رہتا ہے اور ہر وقت عبادت کرتا ہے۔

پھر حضرت ابودرداء آ گئے اور حضرت سلمان فارسی کے لیے کھانا تیار کیا اور کہا تم کھاؤ میں روزہ سے ہوں، انہوں نے کہا میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک تم نہ کھاؤ گے، چنانچہ انہوں نے کھا لیا، حضرت سلمان فارسی نے کہا سوئے رہو، چنانچہ وہ سوتے رہے، حضرت ابودرداء پھر عبادت کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا سوئے رہو، جب رات کا آخری حصہ آیا تو حضرت سلمان فاری نے کہا، اب اٹھو، پھر دونوں نے نماز پڑھی نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت سلمان فارسی نے کہا:

"إن لربک علیک حقاً، ولنفسک علیک حقاً، ولأهلک علیک حقاً، فأعط کل ذی حق حقه ." ترجمہ: تمہارے رب کا تجھ پر حق ہے۔ تیری جان کا تجھ پر حق ہے، اس لیے ہر مستحق کا حق ادا کرو۔

پھر حضرت ابودرداء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے صورت واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صدق سلمان" سلمان نے ٹھیک کہا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بات میں سلمان سے اتفاق کیا اور فرمایا کہ سلمان نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا۔ (صحیح البخاری، کتاب الصوم، ۱۹۶۸)

سولہواں اسلوب تفہیم کے لیے مثال پیش کرنا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جس چیز کی تعلیم فرماتے تو اس کے لیے کوئی مناسب مثال تلاش کرتے اور پھر اپنی بات اور اس مثال میں جوڑ پیدا فرماتے تاکہ وہ مخاطب کے لیے زیادہ واضح اور سمجھنے میں مدد ومعاون ثابت ہوئے،

مسلم کی روایت ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بازار میں سے گزرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالیہ کے کسی حصہ کی طرف سے ہوکر مدینہ تشریف لا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھیڑ کا بچہ چھوٹے کانوں والا مرا ہوا دیکھا، آپ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا: "أيّكم يحب أن هذا له بدِرْهمٍ "تم میں سے کون اسے ایک درہم پر خریدنا چاہتا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم اسے ایک دمڑی میں بھی نہیں لینا چاہتے اور ہم اسے کیا کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أتحبون أنه لكم "تم چاہتے ہو کہ یہ تمہیں مفت مل جائے؟ حاضرین نے عرض کیا، بخدا یہ اگر زندہ ہوتا تب بھی اس میں عیب ہے کہ اس کا ایک کان چھوٹا ہے، اب تو یہ مردہ ہے اسے کون لے گا؟ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فوالله الدنيا أهون على الله من هذا عليكم "، جیسا کہ یہ تمہارے نزدیک ذلیل ہے، بخدا اللہ کے نزدیک دنیا اس بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۹۵۷)

سترہواں اسلوب حاضرین سے ہنسی، مزاح کرنا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثار صحابہ کرام کے ساتھ بذلہ سنجی، ہنسی اور مزاح بھی فرمایا کرتے تھے، لیکن مزاح میں حق بات کے علاوہ کچھ نہ کہتے ہنسی اور مزاح ہی میں آپ انہیں بہت سی علمی باتیں سکھاتے۔

علامہ ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء واتباع کا مکلّف بنایا گیا تھا جو ہر کام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزاح کیا کرتے تھے اگر آپ مزاح وہنسی نہ کرتے بلکہ ہمیشہ ترش رو اور اداس رہتے تو لوگ آپ کی اقتداء کرتے ہوئے یہی طریقہ اپناتے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسی مزاح کرتے تاکہ اقتداء میں متبعین بھی یہی روش اپنائیں، آپ مزاح میں حق بات کے علاوہ کچھ نہ کہتے۔ (شیخ ابن علان، الفتوحات الربانیہ، ج:٦، ص۲۹۷)

سنن ابوداود کی روایت ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ کے اونٹ کا مطالبہ کیا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: "إني حاملك على ولد الناقة "میں تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا، وہ متعجبانہ انداز میں کہنے لگا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کے بچہ پر کیا کروں گا؟ یعنی وہ میرا بوجھ کس طرح برداشت کرے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اونٹ اونٹنی کا بچہ نہیں ہوتا؟ (سنن ابوداوٗد، ۴۹۹۸)

اٹھارواں اسلوب بات کو مؤکد کرنے کی غرض سے الفاظِ قسم استعمال کرنا:

اکثر وبیشتر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات کو مؤکد اور اہم ثابت کرنے کے لیے اللہ کی قسم دے کر اپنی بات شروع کرتے، مسلم کی روایت ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"والذی نفسی بیدہ لا تدخلون الجنة حتی تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتی تحابوا، أولا أدلکم علی شیء إذا فعلتموہ تحاببتم؟ أفشوا السلام بینکم ." (صحیح مسلم، کتاب الایمان، ج:۱،ص:۷۴)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک مؤمن نہ ہوں گے اور جب تک آپس میں ایک دوسرے سے باہم محبت والفت کے ساتھ نہ رہو گے مؤمن نہ ہوں گے، کیا تمہیں ایسی چیز نہ بتلادوں کہ جب تم اس پر عمل پیرا ہو جاؤ تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ آپس میں سلام پھیلاؤ۔

نتائج بحث:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "إنما بعث معلماً"، یعنی مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

کتاب اور معلم لازم اور ملزوم ہیں؛ اس لیے کہ کتاب موجود ہو، طلباء بھی موجود ہوں اور معلم موجود نہ ہو تو طلبہ کے لیے علم حاصل کرنا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے قرآن مجید (کتاب) کے نزول کے ساتھ ساتھ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (معلم) کو دنیا میں بھیجا۔

جن کے کردار سے آتی ہو صداقت کی مہک
ان کی تدریس سے پتھر بھی پگھل سکتے ہیں

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے تدریسی کردار میں کاملیت، جامعیت، عملیت اور تاریخیت کے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ درس میں نکات پر بحث ہوتی، علمی مسائل بیان کیے جاتے، ذہن کی گتھیوں کو سلجھایا جاتا، تاریخ کے حوالوں پر بحث ہوتی، ماضی کے قصے بیان کیے جاتے، حال کی مثالیں سامنے لائی جاتیں، مستقبل کے خوش آیند امکانات کا ذکر ہوتا، قرآنی قصص پڑھے جاتے، عقائد کا بیان ہوتا، عذاب کا، دوزخ کا ذکر ہوتا، حشر کے ہولناک دن کی حشر سامانیوں سے ڈرایا جاتا، جنت کی نعمتوں کی خوش خبری دی جاتی، نیت کے خالص ہونے پر جزا وسزا کا تعین نتائج سے بے پرواہ عمل سعی مطلوب کا تذکرہ ہوتا۔ یہ روایتی درسگاہ نہیں تھی، بلکہ یہ تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلقہ درس تھا، یہاں سب کچھ تھا یہ قومی لیکچر ہال بھی تھا اور سرکاری مہمان خانہ بھی، دارالعوام بھی تھا اور حکومت کا دربار بھی۔ (بقیہ صفحہ نمبر:۴۱)

نامور محدّث ومحقق شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ

کا تالیفی وتحقیقی منہج اور چند نمایاں آراء وافکار

مولانا مفتی محمد یاسر عبداللہ

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ، موجودہ دور کے ایک وسیع النظر محقق اور بلند درجہ محدّث ہیں۔ وہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ اور شیخ عبداللہ سراج الدین رحمہما اللہ جیسے نامور محققین کے دامنِ تربیت سے وابستہ رہے ہیں اور ان بلند پایہ ہستیوں کی سالہا سال کی محنتوں سے تراشیدہ ہیرہ ہیں۔

لگ بھگ پینتیس برس شیخ ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یاب ہوتے رہے، شیخ موصوف انہیں عنفوانِ شباب میں ہی ''تلمیذُ الامس وزمیلُ الیوم''(کل کے شاگرد اور آج کے رفیق) جیسے بلند الفاظ سے یاد کرتے اور ان کی علمی صلاحیتوں پر اعتماد کرتے تھے۔

علومِ اسلامیہ کی متعدد جہتیں شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کی تحقیق وتالیف کی جولان گاہ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص کرم کی بدولت انہیں عقلِ سلیم، ذکاوت وذہانت، دور اندیشی، آزمودہ کاری اور تاریخ وزمانہ سے آگہی کے ساتھ علمی ذوق اور تنقیدی حِس جیسی گراں قدر دولتیں عطا فرما رکھی ہیں۔ ان کی کتابوں کا قاری اور ان کی مجلسوں کا حاضر باش ان اوصاف وکمالات کی گواہی دے گا۔ ان کی گفتگو مستحکم ومدلّل اور علم وتربیت وفکر سے مزیّن ہوتی ہے، کبھی کبھار ادبی تنقید بھی کرتے ہیں، اور کوئی معاصر، علمی میدان میں حدود سے تجاوز کرے اور شذوذ وتفرّد کو کامیابی کی سیڑھی بنانے لگے تو غیرتِ ایمانی کے تئیں ایسے لوگوں پر کڑی تنقید بھی کر جاتے ہیں۔

شیخ موصوف کے صاحب زادے ڈاکٹر محی الدین محمد عوامہ حفظہ اللہ ''اَلوَلَدُ سرٌّ لِاَبِیہِ''(بیٹا، باپ کا پَرتو ہوتا ہے) کا مصداق ہیں۔ والدِ گرامی کے نقشِ قدم پر گامزن اور متعدد علمی وتحقیقی کاوشوں کے حامل ہیں۔

کچھ عرصہ قبل انہوں نے اپنے والدِ معظّم کے احوال وافکار کے متعلق ''صَفحاتٌ مُضیئةٌ من حیاة سیدی الوالد العلّامة محمد عوّامة'' کے نام سے ایک کتابچہ مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اس رسالہ کے ایک حصہ میں لائق فرزند نے فائق پدر کے تالیفی وتحقیقی منہج پر روشنی ڈالی اور ان کے نمایاں آراء ونظریات کو سپردِ قلم وقرطاس کیا

ہے۔ پیشِ نگاہ مضمون میں رسالہ کے اسی حصے کو طلبہ واہلِ علم کے استفادہ کی غرض سے کسی قدر اختصار کے ساتھ ''اُردوایا'' جارہا ہے، اور بوجوہ حرفی ترجمہ کے بجائے رَواں ترجمانی کو ترجیح دی گئی ہے۔

شیخ حفظہ اللہ کے چند نمایاں آراء وافکار:

شیخ حفظہ اللہ کی حیاتِ مستعار کے بعض اہم علمی وتربیتی آراء وافکار درج ذیل نکات کی صورت میں ملاحظہ فرمایئے:

۱...... جمہور علمائے امت پر اعتماد

شیخ موصوف، لوگوں کو جمہور علماء امت کے منہج پر ثابت قدم رکھنے اور ائمہ متقدمین (خاص طور پر ائمہ اربعہ) پر ان کا اعتماد برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن وسنت کا نام لے کر ان ائمہ کو غیر مستحکم کرنے یا ان پر بلاجواز طعن وتشنیع کے سخت ناقد ہیں، ایسے لوگوں کی علمی کمزوریوں کو واشگاف کرتے اور ان کی جہالت کا پردہ چاک کرتے ہیں۔ شیخ 'مذاہبِ اربعہ سے خروج کے قائل نہیں، اور نہ ہی تلفیق اور رخصتوں کی جستجو کو رَوا جانتے ہیں، بلکہ ان کی نظر میں تتبعِ رُخص' خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی اور قلبی مرض ہے۔ شیخ موصوف اس طرزِ فکر کے سخت ناقد ہیں۔ شیخ نے اپنی دو کتابوں ''**اثر الحديث الشريف في اختلاف الائمة الفقهاء**'' اور ''**ادب الاختلاف في مسائل العلم والدين**'' میں مذاہبِ اربعہ کی اتباع کی ضرورت کو واضح کیا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں شیخ کا وہ فکری منہج عیاں ہے، جس کی ترویج کی خاطر وہ شب وروز کوشاں ہیں۔

شیخ موصوف' تمام علمائے امت کا احترام کرتے، اور ان کی عیب جوئی کو ناروا سمجھتے ہیں، شیخ ان ائمہ کو اسلام کے لہراتے پھریرے اور دمکتی قندیلیں قرار دیتے ہیں، بھلا کوئی عقل مند انسان ان پھریروں کو سرنگوں کرنے اور ان قندیلوں کو بجھانے کی جراءت کرسکتا ہے؟!

۲...... طلبہ علم کے لیے تربیتی منہج

شیخ حفظہ اللہ نے اپنا علمی وتربیتی منہج اپنی کتاب ''**معالم إرشادية لصناعة طالب العلم**'' میں تفصیل سے واضح کردیا ہے۔ اس کتاب کے عنوانات ان کی تربیتی آراء کا حاصل ہیں، جن پر وہ طلبہ علم کو رواں دواں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ ائمہ سلف اور باعمل علماء کی مانند ایک طالب علم کی چال پُراعتماد ہو، مضبوط بنیادوں پر قائم ہو، اور وہ علم کی راہ میں تدریج کا لحاظ رکھتے ہوئے گامزن ہو۔ یوں وہ فکری بے راہ روی اور ذہنی انتشار سے محفوظ رہے گا، اور اس کی آراء میں تضاد نہ ہوگا۔ ان کا ماننا ہے کہ اگر طالب علم کی بنیادی تربیت عمدہ ہو تو وہ فکری اعتبار سے درست راہ پر قائم رہتا ہے، اس کے علمی منصوبے صحیح سمت میں ہوتے ہیں، معاصر اہلِ علم اس سے مطمئن رہتے ہیں،

اورانہیں اس کے شاذ افکار ونظریات کی تردید کی ضرورت نہیں رہتی۔ ایسا طالب علم مستقبل میں معاشرے کی تعمیر وترقی اور اگلی نسلوں کی تربیت میں اپنا حصہ ڈالتا ہے۔ فی زمانہ ایسے باتوفیق علماء نادر وکمیاب ہیں۔

۳......تخریجِ احادیث کا مثالی اسلوب

شیخ موصوف' طلبہ علم کے ذہنوں میں یہ خیال جاگزیں کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تخریجِ احادیث کا مقصد کسی حدیث کے ثبوت کا پتہ لگانا اور اس کے وجود کی تحقیق کرنا ہے، بلاوجہ حدیث کا رد یا نفی مقصود نہیں ہونا چاہیے۔ معاصر اہلِ تخریج (تخریجی فہرستوں کے مرتبین، جن کی تخریج کی ابتدا ''صحیح بخاری'' سے اور انتہا ''مسندِ فردوس دیلمی'' اور ''تہذیب الکمال'' پر ہوتی ہے) کو جب حدیث کی سند کے کسی راوی میں کوئی اشکال (خواہ مضبوط ہو یا کمزور) دکھائی دیتا ہے تو اس حدیث کے متعلق کلام میں جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے ضعیف قرار دے دیتے ہیں، حدیث کی معاضد اور متابع روایات کی چنداں جستجو نہیں کرتے، اور نہ ہی متعلقہ راوی کے بارے کہے گئے الفاظِ جرح کی تحقیق کی زحمت کرتے ہیں، تاکہ حدیث کو تقویت مل سکے اور اس کا معنی ثابت ہوسکے۔ یہ لوگ تحقیق کی راہ کے ان جاں گسل مراحل سے کوسوں دور اور ان کی اہمیت وضرورت سے نابلد ہیں۔

۴......علمِ جرح وتعدیل کے داخلی مسائل سے آگاہی

شیخ حفظہ اللہ اپنے طلبہ علم میں علمِ جرح وتعدیل کے داخلی مسائل سے آگہی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جرح وتعدیل کے متعلق ہر قول' قابلِ قبول نہیں ہوتا، نہ ہر رائے قابلِ اعتماد ہوتی ہے، بلکہ طالب علم کے ذمہ ہے کہ جرح وتعدیل کے مراتب اور اقوال (خاص طور پر جرح کے اقوال) کے پس منظر کی تحقیق ومراجعت اور کھود کرید کرے؛ کیونکہ ان اقوال کے پسِ پشت بہت سے داخلی اسباب اور مخفی وجوہات ہوتی ہیں، جن سے واقفیت' طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ کتبِ حدیث ورجال سے متعلق شیخ موصوف کی تحقیقات (خصوصًا ''مصنف ابن ابی شیبۃ'' اور ''الکاشف للذھبی'' کے حواشی) سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے۔

۵......امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق پر اعتماد

شیخ موصوف کی سوچی سمجھی رائے ہے کہ رجالِ حدیث کے تعلق سے امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق (ثقہ قرار دینے) پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔ معاصر اہلِ علم کے ہاں عام طور پر امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس مشہور رائے کو مِن وعَن تسلیم کیا جاتا ہے کہ امام موصوف' رجال کی توثیق میں متساہل ہیں، اور وہ (کتاب ''الثقات'' میں) معروف وغیر معروف راویوں کا ذکر کر جاتے ہیں، لہٰذا ان کی توثیق قابلِ اعتماد نہیں اور ان کی آراء قابلِ قبول نہیں۔ لیکن شیخ حفظہ اللہ امام ابنِ حبان رحمۃ اللہ علیہ کا شدت سے دفاع کرتے ہیں، انہوں نے ''مقدمۃ المصنف'' اور

’’مقدمۃ الکاشف‘‘ میں دلائل کے ساتھ اپنی رائے واضح کی ہے، اوراس مسئلے کے متعلق ایک مستقل رسالہ بھی مرتب کیا ہے، جو ان کے سلسلہ رسائل ’’ابحاثٌ حدیثیۃٌ ھادفۃٌ لتصحیح المسار العلمی‘‘ کا حصہ ہے۔

۶......اہلِ علم کے پانچ درجات

شیخ حفظہ اللہ اپنی مجلسوں میں اکثر یہ تاکید کرتے رہتے ہیں کہ اُمتِ مسلمہ کو پانچ درجات کے طلبہ ءعلم درکار ہیں:

الف...... پہلا درجہ: جو منبر و محراب کو سنبھال سکیں، اور ایک محلے کے باسیوں کے رہبر بن سکیں۔

ب...... دوسرا درجہ: ایک شہر کی ضروریات کو پورا کرنے والے اہلِ علم۔

ج...... تیسرا درجہ: ملکی سطح کے علماء، جو اس ملک کی دینی مشکلات اور جدید معاملات کا حل پیش کر سکیں۔

د...... چوتھا درجہ: عالمِ اسلام کے پائے کے مشائخ۔

ظ...... پانچواں درجہ: دینِ اسلام کے متعلق پھیلائے گئے شبہات کی تردیدی صلاحیت کے حامل ہر علم کے متخصص اہلِ علم، بلکہ ہر علم کی متنوع انواع میں جزوی تخصص کے حامل علماء۔

کتب و رسائل میں موصوف کا عمومی منہج

شیخ حفظہ اللہ کے علمی منہج کی اساس و بنیاد درج ذیل تین امور ہیں:

۱......مضبوط علمی استعداد

۲......ٹھوس علمی منہج

۳......گہرا نقطہ نظر علمی

علمی مضبوطی کے تحت درج ذیل امور داخل ہیں:

کسی موضوع کے تمام پہلوؤں کا وسیع مطالعہ، نصوص کے معانی و مفاہیم کی معرفت و صحیح فہم، اور ان سے استدلال واستشہاد کی کیفیت سے آگاہی، ادبی طرزِ بیان اور اعلیٰ اسلوب۔

ٹھوس علمی منہج کی تربیت انہوں نے اپنے بلند پایہ اساتذہ و مشائخ سے پائی ہے، اور درس و تدریس، فہم و ترکیز، بعد ازاں تخریج و تحقیق، نکتہ رسی و دقت آفرینی میں وہ اسی منہج پر گامزن ہیں۔

مذکورہ امور کے ساتھ ساتھ اُمتِ مسلمہ کے احوال و حقائق اور طلبہ ءعلم کی ضروریات کے تعلق سے ان کا نقطہ ءنظر بیدار مغزی پر مبنی ہے اور انہیں اُمت کے تمام طبقات اور گروہوں میں عام ہوتے علمی، فکری اور تربیتی انتشار کا گہرا ادراک ہے۔ نیز توفیقِ خداوندی کا کرشمہ ہے کہ وہ مرض کی تشخیص کے ساتھ دوا بھی تجویز کرتے ہیں، وہ ایک آزمودہ کار طبیب اور ماہر و تجربہ کار شخصیت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں اور ان کی آراء و نظریات کا خیر

مقدم کیا جاتا ہے۔

شیخ موصوف کی تمام تحریروں (تالیفی ہوں یا تحقیقی) میں ان کا عمومی علمی منہج انتہائی دشوار ہونے کے باوجود یکساں طور پر منظّم، واضح منصوبہ بندی اور حد درجہ باریک بینی کا نمونہ ہے۔ ان کی صحبت کا ہر فیض یاب اس کی گواہی دے گا۔ شیخ کے عمومی منہج کو سمجھنے کے لیے درج ذیل نکات قابلِ غور ہیں:

۱......شیخ کی گفتگو اور تحریر دقت رسی پر مبنی ہوتی ہے، حسبِ ضرورت اختصار یا طوالت کو اختیار کرتے ہیں، ان کا اسلوبِ بیان' قوی اور ان کا منہج' واضح ہے، ایک ایک لفظ بلکہ حرف کو برتنے کا لحاظ رکھتے ہیں؛ کیونکہ ان کے نزدیک ایک حرف بھی دلیل کی حیثیت اور مستقل معنی ومفہوم رکھتا ہے، ان کے ہاں کسی لفظ کی تقدیم وتاخیر کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔

۲......اپنے آراء وافکار کو علماء سابقین اور ائمہ متقدمین کے اقوال سے مدلّل کرتے ہیں، اس موقع پر جس دلیل کو پہلے ذکر کرتے ہیں، وہی مقدم ہونے کی حق دار ہوتی ہے۔ متقدمین کے ہاں کوئی بات مل جائے تو اسے متاخرین سے نقل نہیں کرتے؛ گویا متقدمین کا کلام' شیخ موصوف کی زرہ اور ان کا فہم' شیخ کا قلعہ ہے۔

۳......مصادرِ اصلیہ سے نقل کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں، نیز عبارت کا اچھی طرح تقابل کرتے ہیں، اور اپنے طلبہ کو بھی اس کی بہت زیادہ تاکید کرتے ہیں، اپنی ذات اور متعلقین کی حد تک اسے لازم کر رکھا ہے۔ ڈاکٹر محی الدین محمد عوامہ حفظہ اللہ کا بیان ہے کہ ایک بار مجھ سے فرمانے لگے:

''ناقل اگر امام الائمہ بھی ہو تو سر آنکھوں پر، لیکن میرے لیے ان کی نقل کردہ عبارت کی مراجعت ضروری ہے، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔''

یہ تو تب ہوگا کہ متعلقہ کتاب شائع ہو چکی ہو، اگر وہ کتاب مخطوط ہو، تب بھی اس کی مراجعت کی کوشش کو ضروری سمجھتے ہیں، اس مخطوط کا حصول آسان ہو تو اسے حاصل کر کے مراجعت اور تقابل کرتے ہیں، اور عبارت کی تصدیق کر کے اس کے مطابق نقل کرتے ہیں؛ تاکہ عبارت صحیح سالم ہو اور کتاب کی جانب اس کی نسبت درست ہو جائے۔

۴......شیخ موصوف' منقولہ عبارتوں کی ان کے قدیم واصلی مصادر کی جانب نسبت کرتے ہیں، یوں وہ اپنی ذات اور اپنی کتب کے قارئین کو ائمہ سے جوڑ دیتے ہیں؛ کیونکہ یہی ائمہ ہمارے لیے قابلِ اعتماد ہستیاں ہیں اور مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر کسی معاصر عالم سے کوئی عبارت ملے جو انہوں نے کسی متقدم سے نقل کی ہو اور وہ عبارت شیخ کے مقصود کے موافق ہو، تب بھی شیخ موصوف اصل ماخذ میں اس عبارت کی مراجعت کرتے، اور یہ اطمینان کرتے ہیں کہ عبارت صحیح سالم نقل ہوئی ہے یا نہیں، پھر براہِ راست اصل ماخذ کی جانب اس کی نسبت کرتے ہیں۔

۵......عبارتوں کے مآخذ کی جانب نسبت کرتے ہوئے قدیم باسند کتاب کی طرف نسبت کو قدیم بے سند کتاب پر مقدم رکھتے ہیں، بلکہ باسند کتاب کو ہی ترجیح دیتے ہیں، بے سند کتاب کا ذکر کسی خاص نکتہ کی بنا پر ہی کرتے ہیں۔

۶ ...... مآخذ و مصادر کی جانب نسبت کرتے ہوئے پہلے درجہ میں کتاب کے صحیح ترا ایڈیشن کو ترجیح دیتے ہیں، دوسرے درجہ میں متداول اور مشہور ایڈیشن کو اختیار کرتے ہیں، تاہم ایسے صحیح طبعات کا حوالہ نہیں دیتے جو مفقود یا نادر ہوں، اگر چہ وہ شیخ کے کتب خانہ میں موجود بھی ہوں؛ کیونکہ اس ایڈیشن تک عام قاری کی رسائی دشوار ہوتی ہے۔

۷......شیخ کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کا حوالہ اس انداز کا ہو جو اکثر طبعات کے موافق ہو جائے، تاکہ قاری کو بوقتِ ضرورت مراجعت میں سہولت ہو، اور اسے کتاب کا ایسا ایڈیشن خریدنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے جو اس کی دسترس میں نہ ہو۔

۸...... ہر حوالہ اس فن کی کتابوں سے ذکر کرتے ہیں، چنانچہ کسی لغوی کلمہ کی تحقیق کے لیے کتبِ لغت کی مراجعت کرتے ہیں، اور اصولی مسئلہ کے لیے کتبِ اصول کی جانب رجوع کرتے ہیں، بلکہ مزید باریک بینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اگر شوافع کے کوئی فقہی یا اصولی مسئلہ کی تحقیق مقصود ہو تو شافعیہ کی کتبِ فقہ واصول کی مراجعت کرتے ہیں۔ یہی طریقہ تحقیق مالکیہ وغیرہ کے مسائل میں بھی ہوتا ہے۔ فقہِ مقارن (مذاہبِ اربعہ کی تقابلی فقہ) سے متعلق کتب (مذاہبِ اربعہ کی تقابلی کتب) کا حوالہ ذکر کرنا پسند نہیں کرتے؛ کیونکہ ہر فقہی مذہب کی مستقل کتابیں اور مآخذ موجود ہیں۔

۹......حسبِ ضرورت دیگر فنون کے متخصصین سے بھی رجوع کرتے اور ان سے مشاورت کرتے ہیں، کبھی ان سے خط وکتابت کرتے ہیں۔ جب فقہ شافعی میں شیخ باقشیر حَضَرَمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''قلائد الخرائد'' کی تحقیق کر رہے تھے تو مسئلہ تدخین (سگریٹ نوشی) کی تحقیق کے لیے ڈاکٹر عبداللہ کتانی سے خط کتابت کی اور کتاب میں ان کی جانب اس کی نسبت بھی کی۔ اس اہتمام کی بنا پر شیخ حفظہ اللہ کی کتابوں اور آراء پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

۱۰......جس عبارت میں قاری کو اشکالات پیش آسکتے ہیں، ان کے متعلق اسے راحت پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، عبارت کی پیچیدگی کو حل کرتے اور اس کی توضیح کرتے ہیں، حسبِ ضرورت اعراب لگا دیتے ہیں، اور عبارت کے فہم میں دشواری محسوس ہو تو قاری کو حیرت و پریشانی میں مبتلا نہیں کرتے۔ اپنے طلبہ کو اکثر فرمایا کرتے ہیں: ''**المحققُ خادمُ القارىء**'' (محقق، قاری کا خادم ہوا کرتا ہے)۔

۱۱......شیخ موصوف علاماتِ ترقیم کا حد درجہ اہتمام کرتے اور انہیں ''علاماتِ تفہیم'' کا نام دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے: ''**إن صحّةَ وضعِها وسلامةَ استخدامها هي نصفُ التحقيق** '' (علاماتِ ترقیم کے درست استعمال

سے تحقیق کا آدھا کام ہوجاتا ہے)۔

۱۲......تحقیق کے مآخذ لکھتے ہوئے بھی الفاظ کے انتخاب میں دقت رسی کا مظاہرہ کرتے ہیں، مثلاً: کسی متعین کتاب کے کسی ایڈیشن کا ذکر کرنا ہو، لیکن اس کی تحقیق شیخ کو پسند نہ ہو تو یوں نہیں لکھتے: ''حقّقهٗ فلانٌ'' (فلاں نے اس کی تحقیق کی ہے)، بلکہ یوں لکھتے ہیں: ''طبعةُ فلانٍ'' (فلاں کا ایڈیشن)۔

۱۳...... کتاب کے آخر میں علمی فہرستیں مرتب کرنے کا بہت اہتمام کرتے اور ان میں تنوّع کو پسند کرتے ہیں، تاکہ محقق کو سہولت ہو اور اسے اپنے مقصود تک جلد رسائی ہو۔

۱۴......کچھ کتابیں، شیخ کے پہلو میں دَھری رہتی ہیں، اور تالیفی یا تحقیقی عمل کے دوران ان سے جدا نہیں ہوتیں، مثلاً: کتبِ لغت، ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کی ''النہایۃ'' اور راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''المفردات''

۱۵......شیخ موصوف اپنی ہر تحریر میں بیک وقت عقل اور روح دونوں سے مخاطب ہوتے ہیں، اس بنا پر عقل ان کی آواز پر لبیک کہتی، دل ان سے مانوس ہوتا اور روح اُن کی فرمان بردار ہو جاتی ہے۔

تالیف میں علمی منہج

تالیف کے تعلق سے شیخ موصوف کے منہج کو درج ذیل نکات سے سمجھا جاسکتا ہے:

۱......لکھنے کے لیے ایسے موضوع کا انتخاب کرتے ہیں، جس کے متعلق لکھنے کی حاجت وضرورت محسوس ہو، خواہ علمی واختصاصی موضوع ہو، جیسے: ''حجّيّةُ افعالِ النبيِّ صلى الله عليه وسلّم''، اور ''دراسةٌ حديثيةٌ مقارنةٌ لنصب الراية وفتح القدير ومُنية الالمعی''۔ یا فکری موضوع ہو، مثلاً: ''اثر الحديث الشريف'، اور ''ادب الاختلاف'' یا اصلاحی وتربیتی موضوع ہو، جیسے: ''معالم إرشادية لصِناعة طالب العلم''، یا عوام کے لیے تہذیبی موضوع، مثلاً: ''شرحُ الاحاديثِ القدسية''۔

۲......موضوع کے تعلق سے مآخذ ومراجع اور ایسی کتابیں جمع کر لیتے ہیں، جن میں اس موضوع سے متعلق مواد ملنے کا گمان ہو۔ وسعتِ مطالعہ کی بنا پر ان کی تحقیقات میں ایسی کتابوں کا مواد بھی ملتا ہے، جن میں متعلقہ موضوع سے متعلق مواد کا گمان نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ موصوف اپنے معمول کے مطالعہ کے دوران حاصل شدہ فوائد بھی مختلف رقعوں یا کتاب کی ابتدا میں خالی صفحات پر تحریر کر لیتے ہیں، یوں بوقتِ ضرورت ان تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔

۳......کسی موضوع پر لکھنے سے قبل اس موضوع کا ممکنہ حد تک بالاستیعاب مطالعہ کرتے ہیں، اور اس سے متعلق جمع کیے گئے مآخذ ومراجع کا بھی استیعاب کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں، حافظے میں موجود سابقہ مطالعہ مزید براں، یوں

اس موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ہوجاتا ہے۔

۴......شیخ کی عادت ہے کہ تحریر کے آغاز سے قبل اس کا خاکہ تیار کرتے ہیں، اس کے اصولی وفروعی مباحث اور مقدمات ومسائل کو متعین کرلیتے ہیں، اور منطقی ترتیب کے مطابق تحریر کی خاکہ سازی کرلیتے ہیں؛ تاکہ تحریر کے تمام پہلوؤں کا احاطہ آسان ہو اور وہ تمام متعلقہ موضوعات پر مشتمل ہو۔

۵......آیاتِ کریمہ اور احادیثِ نبویہ سے بکثرت استدلال کرتے ہیں؛ کیونکہ یہی دو مآخذ تمام مراجع کی اساس اور جملہ منقولی دلائل کی بنیاد ہیں۔ مزید براں ان کا استدلال حسن وخوبی سے آراستہ، سلامتِ فہم کا پیکر اور عمدہ اسلوبِ بیان کا نمونہ ہوتا ہے۔

۶......قاری کو اپنے عہد کے ساتھ جوڑتے ہیں، اس غرض سے خود اپنی ذات یا اپنے اساتذہ پر گزرے ایسے حقیقی واقعات بکثرت ذکر کرتے ہیں، جن کا زیرِ بحث موضوع سے گہرا تعلق ہو؛ تاکہ تحریر زیادہ مفید ثابت ہو اور روح کے ساتھ اس کا تعلق، مسرت انگیز ہو۔

تحقیقِ مخطوطات کا علمی منہج

تحقیق وتدقیق کے میدان میں شیخ حفظہ اللہ کا منہج نہایت دشوار ہے، ان کی راہ پر وہی گامزن ہوسکتا ہے جو وسعتِ علم، گہرے غور وتدبر، اور صبر وہمت جیسے بلند اوصاف کا حامل ہو، جس کا صبر اس کے علم سے بڑھا ہوا ہو، اور جہدِ مسلسل اس کی اکتاہٹ کو دور کردے۔ شیخ موصوف نے امہاتِ کتب کی تحقیق وتعلیق کا کام کیا ہے اور ان کی تحقیقات، شہرہ آفاق ہیں، کیونکہ انہوں نے تحقیق کے کڑوے گھونٹ اور مراجعت وتدقیق کی مٹھاس پر صبر وتحمل سے کام لیا ہے۔ چند روز تک ان کی زندگی کا مشاہدہ کیا جائے تو وہ کسی قول کی تحقیق یا کسی عبارت کی تدقیق کرتے نظر آئیں گے، یا پھر مآخذ ومراجع کی مراجعت کرتے اور انہیں اُلٹتے پلٹتے دکھائی دیں گے۔ ان کے متعلق علامہ محمد سعید طنطاوی حفظہ اللہ کا مقولہ مشہور ہے: ''**لا اعلمُ علی وجہ الارض اعلمَ منہ فی علم التحقیق** ''(میری نگاہ میں روئے زمین پر علمِ تحقیق کا ان سے بڑا عالم کوئی نہیں)۔

فنِ تحقیقِ مخطوطات کے تئیں شیخ حفظہ اللہ کے علمی منہج سے متعلق کچھ نکات تو ان کے عمومی منہج کے ضمن میں گزر چکے، مزید چند امور ذیل میں ملاحظہ فرمایئے:

۱......شیخ موصوف جس کتاب کی تحقیق کا عزم کرلیں تو ان کی پہلی کوشش ہوتی ہے کہ خود مولف کا نسخہ (خاص طور پر مولف کی حیاتِ مستعار کا آخری نسخہ) انہیں حاصل ہوجائے، چنانچہ اس کے لیے خوب کھود کرید، پوچھ گچھ، اور تلاش وجستجو کرتے ہیں، اگر مولف کا نسخہ دریافت ہوجائے تو وہی ان کی مطلوبہ آرزو ہوتی ہے، اس حوالے سے کئی

تحقیقات میں اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم فرمایا، چنانچہ ''تقریب التہذیب''، ''الکاشف''، ''مجالس ابن ناصر الدین'' اور ''القول البدیع'' کی تحقیق میں انہیں ان کتابوں کے مولفین کے نسخے حاصل ہوئے۔ ڈاکٹر محی الدین محمد عوامہ حفظہ اللہ کا کہنا ہے:

''والدِ محترم کو مولف کے جس نسخے کی حرص ہوتی ہے، اور جس پر وہ اعتماد کرتے ہیں، اس سے مراد وہ نسخہ ہے جو مولف کی دسترس میں رہا ہو، مولف نے اس میں کمی بیشی اور تہذیب وتصحیح کی ہو، اسے اپنے شاگردوں کے سامنے پڑھا ہو اور شاگردوں نے بھی مولف کے سامنے اس نسخے کو پڑھا ہو، ایسے نسخے کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔''

اس نوعیت کے نسخے کے حصول کا بنیادی مقصد تو واضح ہے، لیکن اس میں ایک اور علمی پہلو یہ ہے کہ مولف نے کبھی اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں کتاب تالیف کی ہوتی ہے، اس وقت انہیں علم اور حفظ میں امامت کا درجہ حاصل نہیں ہوتا، ان کے احکام وآراء اور ترجیحات کو بھی حجت کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر یہ نسخہ ان کی دسترس میں رہا ہو اور اس پر مولف کی تنقیح وتہذیب کے آثار نمایاں ہوں تو یہ کتاب میں درج آراء پر ان کے علمی استقرار کی دلیل ہوگی، ورنہ یہ احتمال رہے گا کہ ممکن ہے بعد میں ان کی ترجیح بدل گئی ہو۔ اہلِ علم کے احوالِ واقعی میں تو یہ پہلو معروف ہے ہی، خود ہمارے گرد وپیش کے اعتبار سے بھی ایک واضح حقیقت ہے۔ شیخ موصوف دیکھتے ہیں کہ بہت سے محققین جس کتاب کی تحقیق رکھتے ہوں، اس کے مولف کا نسخہ حاصل کرنے کی تگ ودو کرتے ہیں، لیکن شیخ اس اہتمام کے ساتھ اپنے متعلقین کو مذکورہ علمی وفنی امور کی جانب بھی متوجہ کرتے رہتے ہیں۔

۲...... اگر مولف کا نسخہ حاصل نہ ہو تو اس کے فروعات میں سے کوئی نسخہ تلاشتے ہیں، یعنی ایسا نسخہ جو مولف کے نسخے سے نقل کیا گیا ہو، یا مولف کے نسخے سے اس کا تقابل کیا گیا ہو۔ اگرچہ یہ نسخہ مولف کے نسخے کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، لیکن تحقیق کے دوران اس سے کافی حد تک اطمینان حاصل ہوگا۔

۳...... اگر مولف کا نسخہ یا اس کا کوئی فرعی نسخہ بھی حاصل نہ ہو تو کوئی ایسا نسخہ تلاش کرتے ہیں جو ائمہ کرام میں سے کسی امام کے سامنے رہا ہو؛ کیونکہ عام طور پر ایسا نسخہ، حواشی اور سماعات (اس نسخے کی قراءت وسماع کی تاریخوں ودیگر تفصیلات) سے مزیّن اور تصحیح شدہ ہوتا ہے، اس بنا پر ایسا نسخہ اصل (نسخۂ مولف) یا اس کی فرع کے قائم مقام ہوکر اعتماد کے لائق ہوجاتا ہے۔

۴......اگر مولف کا نسخہ حاصل ہو تو شیخ اسی کو اصل قرار دیتے ہیں، اگر وہ حاصل نہ ہو پائے تو اس کی فرع کو اصل شمار کرتے ہیں، اور اگر اصل وفرع دونوں دریافت نہ ہوں تو کسی امام کے نسخے کو ہی اصل ٹھہراتے ہیں، ورنہ تمام نسخوں کو یکساں درجہ دیتے ہیں۔

۵......شیخ موصوف، اصل نسخہ پر پورا اعتماد کرتے ہیں، کتاب کے متن میں اسے مکمل لکھتے ہیں، اگرچہ اس کی عبارت میں کوئی غلطی ہی کیوں نہ ہو، ہاں اگر کاتب کی سبقتِ قلم کا نتیجہ محسوس ہوتو اسے نہیں لکھتے، پھر حاشیہ میں نسخوں کی دیگر تبدیلیوں یا درست لفظ یا عبارت کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی معتمد اصل دریافت نہ ہوتو تمام نسخوں کو پیشِ نظر رکھ کر کتاب کی عبارت کو درست کرتے ہیں، اور حواشی میں اشارہ کرتے جاتے ہیں، اور اگر تمام نسخے کسی بظاہر نادرست لفظ پر متفق ہوں اور ان کی غلطی واضح ہوتو شیخ درست لفظ کو متن میں لکھتے ہیں اور حاشیہ میں اس کی جانب تنبیہ کردیتے ہیں۔

۶......خطی نسخوں کے حواشی میں لکھی گئی تمام عبارتوں کو بھی کتاب میں درج کرتے ہیں، اور قاری کی سہولت کی خاطر انہیں ضائع نہیں کرتے؛ تاکہ قاری ائمہ اہلِ علم کے افادات سے محروم نہ رہے، بلکہ جو محققین ان فوائد کو اپنی تحقیق میں درج نہیں کرتے، شیخ ان پر شدید تنقید کرتے اور ان کی اس حرکت پر ناراضی کا اظہار کرتے ہیں۔

۷......جن خطی نسخوں پر اعتماد کرتے یا جن کی مراجعت کرتے ہیں، کتاب کے ''مقدمۃ التحقیق'' میں دقت رسی سے ان کے اوصاف و بیانات قلم بند کرتے ہیں، تاکہ قاری کے سامنے ان کی واضح صورت آئے، اس تفصیل سے ان مخطوطات کا درجہ واضح ہوتا اور ان پر اعتماد کی حد متعین ہوتی ہے۔

۸......خطی نسخوں کے تقابل میں نہایت باریک بینی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اپنی تمام کتابوں میں بھی اپنے بجائے کسی اور کے تقابل کو پسند نہیں کرتے، کسی لفظ کا بلا تقابل رہ جانا بھی پسند نہیں، بذاتِ خود موجود رہتے ہیں اور اپنی نگاہوں میں اس کی نگرانی کرتے ہیں۔

۹......نسخوں کی بہت سی تبدیلیوں کی جانب حواشی میں اشارہ کرتے ہیں، البتہ کسی تبدیلی کے تذکرہ کا کوئی فائدہ نہ ہوتو اسے ترک کردیتے ہیں، اور ان کے ذکر سے کتاب کے حواشی کو گراں بار نہیں کرتے۔

۱۰......کتاب کی ابتدا کو انتہا کے ساتھ اور انتہا کو ابتدا کے ساتھ مربوط کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اگر کوئی مفہوم، بحث، فائدہ، یا عنوان مکرر ہوتو اس کا حوالہ دے کر دونوں کے درمیان مطابقت بیان کرتے ہیں، یوں ان کی تحقیق کردہ کتاب سونے کی اینٹ کی مانند باہم جڑی ہوئی اور مضبوط بنیادوں پر کھڑی دکھائی دیتی ہے۔

۱۱......کتاب میں درج احادیث کی تخریج کا اسلوب، کتاب کے مزاج وحال، اور اس کی ترتیب وموضوع کے مناسب ہوتا ہے، ہر کتاب کی تخریجِ حدیث مفصل نہیں ہوتی، نہ ہر کتاب کی تخریج مختصر ہوتی ہے، نہ ہر کتاب میں حدیث کا درجہ بیان کرتے ہیں، اور نہ ہر کتاب میں حدیث کا حکم ذکر کرتے ہیں، جبکہ وہ موضوع نہ ہو۔ بلاشبہ تخریج ذوقی عمل ہے، اور ہر کتاب کے ساتھ اس کے مناسب تعامل بھی ایک فن ہے۔

۱۲:......شیخ موصوف کی مستحکم ومضبوط علمی شخصیت ان کی تحقیقات وتعلیقات میں واضح طور پر جھلکتی ہے، بہت سے مدّعیانِ تحقیق کی مانند وہ نسخوں کے مفید وغیر مفید تغیّرات کو حواشی میں نقل نہیں کرتے، وہ اپنی تحقیقات میں مولف کے شریکِ کار عالم کی حیثیت سے دکھائی دیتے ہیں، جو مولف کے علم ورائے، لغت وفقہ، اصول وحدیث، اور عقیدہ وغیرہ میں ان کے ساتھ شریک ہوتا ہے، کبھی مولف کا موافق وموید نظر آتا ہے، کبھی اس سے بحث ومباحثہ کرتا دکھائی دیتا ہے، اور کبھی اس پر تنقید اور استدراک کرتا ہے۔

۱۳......شیخ کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ قاری کو کتاب کے سابقہ تمام طبعات سے مستغنی کردیں، وہ پچھلے محققین کی خوبیوں کا احاطہ کرنے کی تگ ودو کرتے ہیں، اور اپنی جانب سے ان میں اضافہ بھی کرتے ہیں، اس لیے ان کا تحقیق کردہ نسخہ، نفیس اور کامل ہوتا ہے، اور اس نسخے کے دسترس میں ہوتے قاری کو کسی اور نسخے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

اختتامیہ:......شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ، عالمِ اسلام کے نامور محقق اور دورِ حاضر میں امتِ مسلمہ کی آبرو ہیں، ان کے تحقیقی وتالیفی منہج میں طلبہ علم واہلِ علم کے لیے رہبری کا وافر سامان ہے، خصوصاً علومِ حدیث کا کوئی طالب علم شیخ موصوف کے علمی سرمائے سے مستغنی نہیں رہ سکتا، طلبہ علم اور متخصصین علومِ حدیث کو شیخ کی کتابوں کو حرزِ جاں بنانا چاہیے اور ان کی تحقیقات وتالیفات سے دقتِ نظر کے ساتھ استفادہ کرنا چاہیے، اور اپنی تحقیقی وتالیفی کاوشوں میں شیخ حفظہ اللہ کے منہج کو اپنانا چاہیے۔

(بقیہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدریس کے نمایاں اسلوب)

مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمان صرف اپنے اللہ کو پہچانیں، اس کی نعمتوں کا احساس کریں، اس کا شکر ادا کریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔ موجودہ دور میں تعلیم کے جدید نظام کے باوجود ہماری نئی نسل میں مایوسی کی کیفیت نظر آتی ہے، ان کی خوبیوں کا دارومدار انہی بنیادی طریقوں پر ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں انسانیت کی تعلیم وتربیت کے دوران کرکے دکھائے ہیں، مگر آج ان طریقوں کو جزوی طور پر اپنایا جاتا ہے جس کی وجہ سے ثمرات پوری طرح ظاہر نہیں ہو رہے، اور آدھا تیتر آدھا بٹیر والی کیفیت سے قوم دوچار ہے، موجودہ تعلیمی نظام کی بڑی خرابی کی سب سے بڑی وجہ ہمارا تعلیم کا "نظام الٰہی" مرکز نہیں رہا ہے، لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ نظام تعلیم کو مرکز الٰہی (خدا) کا مرکز مان کر بنایا جائے، تب جاکر ہر طرح کی کامیابی عمل میں آسکتی ہے۔

مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

چند گزارشات فضلاء مدارس سے

مولانا محمد طاہر سورتی

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حدیث کے طلبہ سے مفصل گفت گو کا موقع ملا؛ موضوع تھا: ''حیات مابعد المدرسہ۔'' مناسب معلوم ہوا کہ اسے حذف واضافے کے ساتھ تحریری صورت میں پیش کردوں، ممکن ہے کسی بندہ خدا کا بھلا ہو جائے۔

۱......عرض کیا کہ اول تو فراغت کا لفظ تو استعمال ہی نہ کریں، اس کی بجائے مشغولی کا کلمہ استعمال کریں۔ کیوں کہ اس "فراغت" نے ہی بہت نقصان پہنچایا ہے۔ یا پھر اس کا مطلب سمجھ لیں: وہ یہ کہ ایک مخصوص ومحدود نصاب کی تکمیل کو فراغت سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ اس کا ہرگز یہ معنیٰ نہیں کہ آپ طلبِ علم سے فارغ ہو گئے۔ اگر کسی نے اس کا یہ مطلب لے لیا تو اس کی تنزلی کو کوئی روک نہ سکے گا۔ اور جس نے صحیح مطلب لیا اور یہ احساس کر لیا کہ مشغولی تو اب شروع ہو رہی ہے اور طلب کے اصل دور کا اب آغاز ہوا ہے، تو اسے ترقی سے کوئی روک بھی نہیں سکے گا ان شاء اللہ۔

۲......امامت اگر نصیب ہو جائے تو اسے نعمتِ خداوندی سمجھ کر ضرور حاصل کریں، لیکن اس وجہ سے نہیں کہ تن خواہ ملے گی۔ بل کہ یہ سوچ کر کہ ہمارے پیشوا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے پوری زندگی امامت کی ہے۔

اس سے آپ کو کام کا بڑا میدان ملے گا۔ علم کی نشر واشاعت آج کے دور میں جتنی بہتر اس پلیٹ فارم سے ہو سکتی ہے اس سے بہتر کسی اور راستے سے مشکل ہے۔

اولاً:......تو اس لیے کہ لوگوں کی فرض نماز آپ کی امامت میں ادا ہوگی۔ اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی۔

ثانیاً:......کتابی تعلیم کا اسٹیج آپ کو ملے گا، اسے آپ یوں سمجھیں کہ یہ ایک درس ہے۔

آپ اس کی پہلے سے بھرپور تیاری کیجیے۔ قلیل الاستعمال الفاظ کے معانی، مشکل جملوں ومضامین کی عام فہم سادہ تشریح کیجیے۔ بہت سے لوگ جو کتابی تعلیم میں شریک نہیں ہوتے من جملہ اس کی وجوہات کے ایک یہ بھی ہے کہ بہت سے بے چاروں کے کچھ پلے ہی نہیں پڑتا، اور شرکت کرنے والوں میں ایک بڑی تعداد ان کی ہوتی ہے جو تبرکاً یا کسی کے لحاظ میں بیٹھ جاتے ہیں۔

ثالثاً:...... جمعہ کا بیان اتنی نایاب نعمت ہے کہ اگر کوئی اسے ڈھنگ سے استعمال کرلے تو قسط وار پوری شریعت سے اپنے نمازیوں کو روشناس کرسکتا ہے۔

رابعاً:......اگر یومیہ درس قرآن کی ترتیب بن جائے تو کیا کہنے۔ ورنہ ہفتہ واری سلسلہ بھی اگر شروع کردیا جائے تو کتنی بڑی خیر وجود میں آسکتی ہے۔

خامساً:...... بڑی عمر کے نمازیوں میں بعضوں کی قرآن دینیات وغیرہ ضروری تعلیم کسی وجہ سے جزئاً یا کلاً باقی رہ جاتی ہے۔ آپ ان کی تعلیم کا بیڑا اٹھالیں تو کیا کم کام ہوگا۔

۳......اگر کسی وجہ سے امامت ملنا ممکن نہ ہو تو کوشش کریں کہ کتابی تعلیم، جمعہ کا بیان، درس قرآن اور تعلیم بالغان وغیرہ کچھ نہ کچھ آپ کے حصے میں آجائے۔

۴......ایک بات یہ بھی عرض کی کہ بعض فضلاء اپنی مکتبی وغیرہ خدمت سے فارغ ہوتے ہی سیدھے راہ لیتے ہیں کسی اوٹے، پرچون کی کسی دکان یا کسی چوپال کی، یا کسی یارانہ محفل کی، اور وہاں گھنٹوں فضولیات میں برباد کرتے ہیں نہ کوئی خارجی مطالعہ، نہ کسی رفاہی کام کا شوق، نہ اپنی ذمے داری کا کوئی احساس!......آپ للہ ایسا ہرگز نہ کریں۔ اپنی توانائی صلاحیت اور قابلیت کو بروئے کار لائیے۔ دل و دماغ کے دریچوں کو وار کھیے خود آپ کو ہی اپنے مقام و ماحول کے مناسب بہت سے گوشے منکشف ہوں گے......ان شاء اللہ۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔

۵......کسی مرشد برحق کے زیر سایہ اپنا سلوک کا سفر بھی باقاعدہ جاری رکھیں۔ ان کے تلقین فرمودہ معمولات اہتمام اور پابندی سے ادا فرمائیں۔ تلاوت، ذکر تسبیح، دعا وغیرہ امور روزانہ بلاناغہ ذوق وشوق سے انجام دیں۔

۶......اس وقت کرنے کا ایک کام یہ بھی ہے کہ مساجد میں نمازوں سے قبل و بعد بیٹھ کر تلاوت ذکر و تسبیح کی جو عمومی فضا کبھی ہماری مساجد کی پہچان ہوا کرتی تھی، وہ بھی مادیت سے کافی متاثر ہوا ہے۔ اب یہ مناظر دل پر آرے چلاتے ہیں کہ کسی من چلے کو نماز سے قبل یا بعد دو چار منٹ کا وقت ملتا ہے تو وہ کم بخت موبائل ہڑپ کر جاتا ہے۔

لہٰذا ہمارے یہ فضلاء اگر اتنا کرلیں کہ مسجد میں اول تو خود جلدی آنے اور دیر تک بیٹھنے کے خوگر بنیں۔ پھر آہستہ آہستہ دوسرے نوجوانوں اور سنجیدہ بچوں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

۷......عموماً تعلیم وتربیتِ نسواں کا گوشہ تشنہ رہ جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑا نازک مرحلہ ہے۔ لیکن ظاہر ہے اس کی ضرورت سے بھی کون انکار کرسکتا ہے۔ اس لیے مقامی سنجیدہ حضرات سے مشاورت کے بعد صنف نازک کی تعلیم وتربیت کا بھی معقول و مستحکم نظام قائم کیا جاسکتا ہے۔

۸......اپنے والدین و اساتذہ سے مسلسل رابطہ رکھیں۔ اول الذکر کی اطاعت وخدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ

جانے دیں۔ثانی الذکر کو کارگزاری بتاتے رہیں۔بوقت ضرورت ان سے رہ بری بھی لیتے رہیں۔

ان دونوں کے لیے نیز جن اداروں میں آپ نے تعلیم حاصل کی، جن مصنفین کے علوم سے دامن بھرا سب کے لیے دعا وایصال ثواب کا مستقل معمول رکھیں۔فقط

انداز بیاں گر چہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

☆☆☆

اَعداءِ اِسلام جنہیں اللہ تعالیٰ نے نورِ اِیمان سے ہی نہیں بلکہ معاشرتی امن کی حقیقی بنیادوں کو سمجھنے سے بھی محروم رکھا ہے۔وہ ان شرعی حدود پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور انہیں نَعُوْذُ بِاللّٰہ ''وحشیانہ سزاؤں'' سے تعبیر کرتے ہیں۔حالاں کہ بعض دفعہ وہ خود اپنے ملکوں میں معمولی جرائم پر اس سے بھی سخت سزائیں جاری کرتے ہیں۔حقیقت میں یہ سب باتیں اسلام سے کینہ وعداوت اور بغض وعناد کی بنا پر کہی جاتی ہیں۔ان دانش مندوں سے کوئی پوچھے کہ کیا ان سنگین جرائم کا اِرتکاب ''وحشی پن'' نہیں؟ اور جس معاشرے میں چند اِنسان نما بھیڑیے گھناؤنے جرائم کا اِرتکاب کرکے ''وحشی'' بن جائیں اور اَربابِ اِقتدار معاشرے کو ان ''وحشیوں'' سے نجات دلانے کے لیے کوئی ٹھوس اقدام نہ کریں۔کیا چند دنوں میں وہ پورا معاشرہ ''وحشی'' نہیں بن جائے گا؟ کوئی عقل مند انسان ان گھناؤنے جرائم کی سنگینی اور وحشی پن سے اِنکار نہیں کرسکتا جس کا اِرتکاب یہ مجرم کرتا ہے اور جس کا دِفاع یہ اَعداءِ اِسلام کررہے ہیں۔

ذرا سوچیے کیا بلاوجہ کسی بے گناہ کی جان تلف کردینا ''وحشی پن'' نہیں؟ جسے ایک مجرم معمولی اسباب کی بنا پر قتل کرکے اس کی بیوی کو بیوہ اور اس کے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو یتیم بنادیتا ہے اور انہیں اپنے والد کے سایۂ عاطفت سے محروم کردیتا ہے؟ کیا یہ وحشیانہ حرکت نہیں کہ ایک مجرم پل بھر میں ایک مزدور یا ملازم کی مہینوں اور سالوں کی خون پسینے کی کمائی اُڑا لے جاتا ہے اور اسے اور اس کے اہل وعیال کو ضروریاتِ زِندگی تک سے محروم کردیتا ہے؟

ایک شہر یا ایک محلّہ کے باشندے نہایت امن وامان کی زندگی بسر کررہے ہیں، انہیں اپنی عزت، جان اور مال کا کوئی خطرہ نہیں، یکا یک ایک مجرم آکر ان سب کی زندگی مکدر کردیتا ہے، اور ان کے امن اور سلامتی کو خوف اور پریشانی سے بدل دیتا ہے کیا یہ وحشی پن نہیں ہے؟ اور پھر جو شخص ایسے مجرم کی پشت پناہی کرتا ہے اور اس سے تعاون کرتا ہے یا اس پر رحم کھاتا ہے جسے بے گناہ مخلوق کمزوروں اور یتیموں اور بیواؤں پر ترس نہیں آتا کیا یہ شخص اس مجرم کی مانند ان وحشی جرائم کا اِرتکاب نہیں کررہا؟

''فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ.''(۹)

ترجمہ:''بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں، بلکہ سینوں کے اندر دل اندھے ہیں۔''

(حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ)

فضلائے مدارس اور ان کا معاشی مستقبل

چند مغالطے، شبہات اور ان کا ازالہ

محمد اَحمد حافظ

ہمارے دینی مدارس میں ان دنوں آخری سہ ماہی چل رہی ہے۔ایک طرف اسباق کا ہمہمہ ہے؛امتحان سے قبل درسی کتابیں مکمل کرنے کی لگن ہے ......دوسری جانب سالانہ امتحان کی تیاری اور اس کے انعقاد کی فکر سر پہ سوار ہے۔سالانہ امتحانات کے بعد بیشتر طلبہ نچلی جماعتوں سے بالائی جماعتوں میں قدم رکھتے ہیں، ایک معتد بہ تعداد درسِ نظامی کے فضلاء کی ہوتی ہے، ان کی تعلیم کا ایک اہم مرحلہ مکمل ہوجاتا ہے، باہمت طلبہ دینی علوم وفنون کی تکمیل کے لیے تخصصات میں داخلہ لیتے ہیں۔اکثریت ایسے فضلاء کی ہوتی ہے جو علمی اشغال سے فرصت پا کر عملی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔

عین انہی دنوں ان فضلاء کے لیے بعض تنظیمات اور ادارے ایسے شارٹ کورسز کا اہتمام کرتے ہیں جو ان کی عملی زندگی میں مفید بھی ہوں اور ان کے باعزت روزگار کا ذریعہ بھی بن سکیں۔ان کورسز کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ ہر فاضل کو نہ تو امامت خطابت ملتی ہے، اور نہ ہی ہر فاضل کو تدریس کی جگہ دستیاب ہوتی ہے۔اس لیے اگر کچھ ادارے مدارس کے نوخیز فضلاء کے لیے ایسے پروگرام منعقد کرتے ہیں جو ان کی عملی زندگی کے لیے مفید ہوں تو ان کی تحسین کی جانی چاہیے۔

مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ بعض ادارے اپنے اہداف ومقاصد کو فضلاء کے سامنے کچھ اس انداز میں رکھتے ہیں کہ انہیں آٹھ دس سال کی طالب علمانہ زندگی پر پشیمانی اور وقت کے زیاں کا احساس ستانے لگتا ہے۔

اسی احساس کمتری کے باعث وہ دینی مدارس کے نصاب ونظام تعلیم پر سوقیانہ تبصروں سے بھی گریز نہیں کرتے۔بعضے تو برملا کہہ اٹھتے ہیں کہ 'مدرسہ' نے ان کی عمر برباد کی ہے؛اور انہیں ایسا کچھ نہیں دیا کہ وہ معاشرے کا 'کارآمد فرد' بن سکیں۔یہی ذہنیت آگے چل کر 'مدرسہ ڈسکورسز' جیسے الحادی اداروں اور فکری تخریب کاروں کے لیے ترنوالہ بننے میں معاون بنتی ہے، اور یہی ذہنیت اپنی کم فہمی کی بنیاد پر مدرسہ کے نصاب ونظام تعلیم پر لایعنی سوالات اٹھاتی ہے، مدرسہ کے نصاب پر جمود کی شکایت کرتی ہے، اسی بیمار ذہنیت کی ایک نمائندہ شخصیت نے پچھلے دنوں اپنے

بیان میں کہا کہ ’’درس نظامی کو کسی میوزیم میں رکھ کر اس پر کتبہ لگا دینا چاہیے‘‘۔یعنی ان کے نزدیک مدارس کا نصاب رفتہ و ناکارہ ہو چکا ہے۔ بہرحال ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ رجب شعبان میں شارٹ کورسز کی سرگرمیوں میں مشغولیت کے بعد نوخیز طلبہ اپنے دامن میں ایسے ہی احساسات لے کر گھروں کو واپس لوٹتے ہیں۔ یہ بات ہم سب کے لیے قابل تشویش اور معرض غور و فکر ہے کہ جن طلبہ کو ہم نے آٹھ دس برس پڑھایا؛ تربیت دی، انہیں عقیدہ وایمان اور علوم نبوت سے روشناس کرایا وہ مدرسہ کی چار دیواری سے نکلتے ہی اس محنت پر پانی پھیر دیں۔اس کا واضح مطلب ہے کہ ایسے طلبہ نے اپنا تعلیمی دورانیہ بے شعوری کی کیفیت میں گزارا، وہ دینی تعلیم کی مقصدیت سے ناآشنا رہے اور ان کی نظریاتی تربیت میں کہیں کمی رہ گئی ہے، اس کمی کو کیسے پورا کیا جا سکتا ہے یہ الگ موضوع ہے۔ بہرحال چند گزارشات پیش خدمت ہیں:

۱......ہمارے ہاں جب تعلیمی سال کا آغاز ہوتا ہے تو اساتذہ ومشائخ کرام طلبہ کو نیت کی درستی کی تلقین وتاکید کرتے ہیں۔ پہلے دن سے طلبہ کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دینی تعلیم اس لیے حاصل نہیں کی جاتی کہ اس کے ذریعے دنیوی مناصب حاصل کیے جائیں یا دنیا کمائی جائے۔ دینی تعلیم کا مقصد معاد کی درستی اور رضاء الٰہی کا حصول ہے۔لازمی نہیں کہ علم دین آپ کو مال و دولت سے نوازے، بلکہ علم دین اور فقر میں ایک خاص تعلق ہے۔اس سلسلے میں اسلاف کی سیرت وسوانح سے مدد لی جا سکتی ہے کہ کیسے انہوں نے دنیا کے چند ٹھیکروں کے لیے کبھی اپنے دین کا سودا نہیں کیا۔اس لیے ہر طالب علم کو آغاز تعلیم میں ہی اپنے آپ کو تول لینا چاہیے کہ اس راہ کی مشکلات ومسائل کو برداشت کر پائے گا کہ نہیں؟!، جواب نفی میں ہو تو راستہ بدل لینا چاہیے۔

۲......دینی مدارس کے نصاب ونظام تعلیم کے مقاصد نہایت واضح ہیں، ان میں کسی قسم کا ابہام نہیں۔اس نصاب ونظام تعلیم کا اصل مقصد دینی علوم وفنون کا تحفظ، مسلمانوں کی دینی ضروریات کے لیے افراد سازی کا اہتمام، مدارس ومساجد کے لیے رجال کار مہیا کرنا ہے۔وطن عزیز میں اگر دینی ضرورتوں اور دستیاب اہل افراد کا تناسب نکالا جائے تو معلوم ہوگا کہ مدارس سے فارغ ہونے والی تعداد ان ضرورتوں کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ چناں چہ مدرسہ اگر اپنے فضلاء سے اس بات کا مطالبہ رکھتا ہے کہ وہ تعلیم سے رسمی فراغت کے بعد خود کو مسجد ومدرسہ سے جوڑے رکھنے کی کوشش کریں تو یہ بیجا مطالبہ نہیں ہے۔

۳......شکایت کی جاتی ہے کہ مدارس کا نصابِ تعلیم جمود کا شکار ہے......علماء زمانے کی ضرورتوں کے پیش نظر نصاب میں تبدیلیاں نہیں کر رہے......اس طرح کے جملے بالعموم زبان زدِ عام رہتے ہیں۔

اس تبدیلی کی دو جہتیں ہیں، ایک جہت تو وہ ہے جو مغربی دباؤ کے زیر اثر دینی مدارس کو درپیش رہتی ہے۔ظاہر

ہے کہ ہم قطعاً ایسی کسی تبدیلی کے حق میں نہیں ہیں جو مغرب کو خوش رکھنے کے لیے ہو۔

دوسری جہت ہماری داخلی ضرورتوں کی ہے، تو اس حوالے سے نہ صرف غور وخوض ہوتا رہتا ہے بلکہ نصاب میں وقتاً فوقتاً معقول تبدیلیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔اس کی متعدد مثالیں بھی موجود ہیں۔

البتہ یہ بات دھیان میں رہے کہ ہماری داخلی ضرورتیں کیا ہیں؟......ان کی نشاندہی اور ان کا تعین اہل حل وعقد کریں گے نہ کہ سوشل میڈیائی دانشور۔مریض اپنے مرض کے لیے خود دوائیں تجویز کرنے لگیں تو ڈاکٹرز کی ضرورت کیونکر رہے گی؟!۔یہی معاملہ نصاب کا ہے۔الحمدللہ وفاق المدارس العربیہ کی باقاعدہ ایک نصاب کمیٹی ہے اور وہ مسلسل نصاب کا جائزہ لیتی اور اپنی سفارشات مرتب کرتی رہتی ہے، بالعموم ان سفارشات پر عمل بھی ہوتا ہے۔

۴......ایک بات جو بہت زور دے کر کہی جاتی ہے وہ یہ کہ مدرسہ اپنے فضلاء کے معاش کا کیوں نہیں سوچتا؟......مدارس میں صنعت وحرفت کیوں نہیں سکھائی جاتی؟......اس کی بھی دو جہتیں ہیں:

ایک یہ کہ طلبہ کو صنعت وحرفت اور تجارت کے مسائل کی تعلیم دی جائے۔یہ کام تو آغاز تعلیم سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔فقہ وحدیث کی جتنی بھی کتب سال بہ سال پڑھائی جاتی ہیں ان میں کتاب البیوع انہی مسائل کا احاطہ کرتی ہے۔عام آدمی کے لیے بہشتی زیور ہے۔علماء کے لیے قدوری، کنزالدقائق، ہدایہ وغیرہ ہیں۔کتب فقہ کے علاوہ کتب احادیث میں بھی تجارت کے احکام موجود ہیں، جبکہ تجارت کے جدید احکام کے حوالے سے ملک بھر کے دارالافتاؤں میں تحقیق وریسرچ کا عمل جاری رہتا ہے اور مفتیان کرام پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل بھی بتاتے ہیں۔

دوسری جہت ہے کہ مدرسہ طلبہ کو نہ صرف معاشی جدوجہد کی تربیت فراہم کرے بلکہ مستقبل کا معاشی پلان بھی بنا کر دے؛ تو مدارس سے یہ ایک زائد مطالبہ ہے۔کیا کہیں سنا گیا کہ کسی ٹیکنیکل ٹریننگ سینٹر نے متعلقہ شعبے کے فقہی احکام پڑھانے کا اہتمام کیا ہو؟......ظاہر ہے کہ نہیں۔اس لیے کہ یہ چیز ان کے دائرے کی نہیں، اس لیے ان سے کبھی مطالبہ بھی نہیں کیا گیا کہ وہ فقہی احکام کی تعلیم دیں۔اسی طرح دینی مدارس کا جو دائرہ ہے اس میں تجارت وصنعت کے بارے مسائل کی تعلیم تو شامل ہے؛ تجارت وصنعت کی ٹریننگ شامل نہیں؛ اور یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔

پھر عملی زندگی میں تنوع ہے، تجارت، صنعت، حرفت...... یہ الگ الگ نوعیت کے شعبے ہیں، ان کی صورتیں بھی مختلف ہیں۔فضلاء کا اپنا خاندانی پس منظر بھی ہوتا ہے، کوئی گاؤں دیہات کا رہنے والا ہے، کوئی تجارت پیشہ خاندان سے تعلق رکھتا ہے، کوئی ملازمت پیشہ خاندان سے ہے، کوئی صنعت پیشہ ہے، کسی کا باپ کپڑا بننے کا کام کرتا ہے اور کوئی سڑک کنارے بیٹھا جوتے گانٹھتا ہے۔علاوہ ازیں ہر انسان کی استعداد مختلف ہوتی ہے اور وہ اپنی استعداد و میلان کے مطابق ہی کوئی شعبہ اختیار کرتا ہے۔تو کیا ایک ہی ادارے میں ان تمام پیشوں کی تربیت فراہم

کرناممکن ہے؟......ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہوگا۔درست بات یہی ہے کہ مدرسہ کی تعلیم سے فراغت کے بعد فاضل نے خود فیصلہ کرنا ہے کہ معاشی جدوجہد کے لیے اسے کون سے عملی شعبے میں قدم رکھنا ہے؟، اوراس کے مطابق تربیت حاصل کرنا اس کی اپنی ذمہ داری ہے نہ کہ مدرسہ کی۔

دینی مدارس کے اساتذہ ومشائخ؛ جنہوں نے ایک طویل عرصے تک طلبہ کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کا اہتمام کیا ہوتا ہے؛ ان کا حق ہے کہ وہ اپنے فضلاء کو مسجد ومدرسے سے وابستہ رہنے کی تلقین وتاکید کریں، لیکن اگر کوئی فاضل عملی زندگی میں کوئی تجارتی، صنعتی یا حرفتی شعبہ اختیار کرتا ہے تو اس پر بھی کوئی نکیر نہیں۔آخر ہمارے اسلاف میں نساج (کپڑا بننے والے) بزاز (کپڑا بیچنے والے) خیّاط (لباس سینے والے) دھان (تیل بیچنے والے) حلوائی (مٹھائی بنانے والے) حدّاد (لوہے کا کام کرنے والے) نجّار (بڑھئی) حمّال (باربرداری کا کام کرنے والے) ہو گزرے ہیں۔ان طبقوں میں نامور علماء ومشائخ تھے۔اس سلسلے میں شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہم کی کتاب **''ارباب علم وکمال اور پیشہء رزق حلال''** اور مولانا قاضی اطہر مبارک پوری رحمہ اللہ کی کتاب **''ہر طبقے اور پیشے میں علم اور علماء''** نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔نوخیز فضلاء کو ان کتابوں کا مطالعہ رکھنا چاہیے کہ کس طرح ان علماء نے حصول علم کے بعد کسب معاش کیا؛ اور کامیاب زندگی گزاری۔یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ طالب علمی کے دوران انہوں نے اپنی پوری توجہ حصول علم پر رکھی۔نوخیز فضلاء آگے بڑھیں، عملی زندگی کے کسی بھی شعبے میں قدم رکھیں، ان کے لیے ہماری دعائیں حاضر ہیں، لیکن اتنی بات ضرور یاد رکھیں کہ اپنی دینی حیثیت اور وقار پر کوئی سمجھوتہ نہ کریں، دوسری بات یہ کہ کسی 'موٹیویشنل اسپیکر' کی چرب زبانی اور طلاقت لسانی سے متاثر ہوکر اپنے مادر علمی، دینی مدارس کی روایات؛، منہج اور طریق کار کو سوشل میڈیا کا موضوع نہ بنائیں۔آپ کو کوئی اشکال ہے، کسی بات میں تردد ہے تو اپنے اساتذہ کے پاس چلے جائیں؛ ان کے سامنے اپنا درِدل رکھیں؛ ان شاءاللہ شافی جواب پائیں گے۔

اسی طرح مدارس کی سالانہ تعطیلات کے دوران شارٹ کورسز کروانے والے حضرات سے بھی عرض کریں گے کہ آپ مدرسہ کے طلبہ کے لیے مفید مطلب دورہ جات ضرور کروائیں؛ اور انہیں ان کی اہمیت سے بھی آگاہ کریں، البتہ اتنا خیال ضرور رکھیں کہ یہ کام دینی مدارس کے کام کی نفی پر نہیں ہونا چاہیے۔آپ اگر دینی مدارس کی مفروضہ خامیوں کو تلاش کر کے انہیں برسرعام بیان کریں گے اور ان کے ملبے پر اپنی عمارت کھڑی کریں گے تو پھر آپ کے فکر ونظر اور کردار وعمل پر بھی سوال اٹھے گا۔جو ذمہ داری دینی مدارس پوری کر رہے ہیں؛ انہیں کرنے دیجیے، جو کام آپ کر سکتے ہیں کیجیے۔رفیق بنیے فریق نہ بنیے۔**تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ وَلَاتَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوااللّٰه!**۔وماعلینا الا البلاغ!۔

مقالات ومضامین

ڈنمارک پارلیمنٹ کا مستحسن فیصلہ

توہین قرآن جرم قرار

محمد احمد حافظ

گزشتہ ماہ ڈنمارک کی پارلیمنٹ میں قرآن پاک سمیت مقدس کتب کی بے حرمتی اور توہین کو جرم قرار دینے کا بل پاس کیا گیا ہے، اِس بل کے مطابق عوامی مقامات پر مذہبی متن کو جلانے، پھاڑنے یا اُس کی بے حرمتی کرنے والوں کو جرمانہ اور دو سال تک قید کی سزا سنائی جاسکتی ہے۔ڈینش پارلیمنٹ کے کل 179 اراکین میں سے بل کے حق میں 94 جبکہ مخالفت میں 77 ووٹ ڈالے گئے۔ اِس کے علاوہ ویڈیو میں مقدس اَوراق کی بے حرمتی کرنے اور فوٹیج کو آن لائن پھیلانے والوں کو بھی جیل بھیجا جائے گا۔

ڈنمارک پارلیمنٹ کا یہ مستحسن اقدام ہے۔امید ہے کہ یہ قانون بن جانے کے بعد توہین قرآن کے شرمناک واقعات کی موثر روک تھام بھی ہوسکے گی۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم نے ڈنمارک کی طرف سے مقدس کتب کی بے حرمتی کے خلاف قانون سازی کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے کہا:

’’یہ قانون قرآن کریم کو جلا کر انتہا پسندی کا مظاہرہ کرنے والوں کو ان کی شرانگیزی سے روکنے کا ذریعہ بنے گا۔ قرآن کریم اور مقدس شخصیات کی توہین کرنے والے عالمی امن کے لیے خطرہ ثابت ہوتے ہیں۔ڈنمارک پارلیمنٹ کی طرف سے اس قانون کی منظوری اور اس پر عملدرآمد امن وامان کی ضمانت ثابت ہوگی۔اس قانون کے حق میں ووٹ دینے والے ممبران پارلیمنٹ کی تحسین کرتے ہوئے اس بات کی ضرورت پر زور دیا کہ دنیا کے دیگر ممالک میں بلکہ عالمی سطح پر بھی ایسی قانون سازی ہونی چاہیے جس کے ذریعے آسمانی کتابوں، انبیاء کرام اور دیگر مقدس ہستیوں کی توہین کا سلسلہ بند کیا جاسکے اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے سے ہر کسی کو باز رکھا جاسکے۔‘‘

خیال رہے کہ ابتدائی طور پر رواں سال اگست کے آخر میں اِس بل کو پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا تھا لیکن یہ بل منظور نہ ہوسکا، مخالفین نے شدید تحفظات کا اظہار کیا تھا اور اسے حق آزادی رائے کے مخالف قرار دیا تھا تاہم اِس میں ترمیم کرکے اِسے دوبارہ منظوری کے لئے پیش کیا گیا، ڈنمارک کی ملکہ کے دستخط کے بعد یہ بل قانون بن جائے گا۔

مبصرین کے مطابق اِس بل کے تحت مذہبی اہمیت کے حامل اہم مسائل کا احاطہ کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ڈنمارک کے وزیرانصاف نے ایک بیان میں کہا کہ ڈنمارک اور اِس کے عوام کی سلامتی کی حفاظت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک عرصے سے جاری منظّم توہین کے خلاف بہتر تحفظ فراہم کیا جائے۔وزارتِ انصاف کے مطابق اِس قانون کو بنانے کا مقصد ملک میں اِن واقعات کے نتیجے میں بڑھتے دہشت گردی کے خطرے کا مقابلہ کرنا ہے۔ مبصرین کے مطابق ڈنمارک نے اِس قانون کے ذریعے اپنے آزادیء اظہار کے قانون اور قومی سلامتی کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ قرآن کی بے حرمتی کے واقعات کے خلاف دنیا بھر سمیت ڈنمارک کی مسلم کمیونٹی میں شدید تحفظات پائے جاتے تھے۔یاد رہے کہ حالیہ موسمِ گرما میں ڈنمارک اور سویڈن میں قرآن مجید کو نذر آتش کرنے کے واقعات ہوئے، پولیس کے اعداد وشمار کے مطابق اِس سال 21 جولائی سے 24 اکتوبر کے درمیان ڈنمارک میں 483 مذہبی کتابوں یا جھنڈوں کو جلانے کے واقعات ریکارڈ کیے گئے۔جس کی وجہ سے مسلمان شدید غم و غصے کا شکار تھے، 57 سے زائد مسلم ممالک میں بڑے پیمانے پر احتجاج ہوا، مظاہرے کیے گئے، جلسے، جلوس اور ریلیاں نکالی گئیں۔ترکی اور سویڈن کے تعلقات میں خرابی آگئی جبکہ ان واقعات کے باعث بعض مسلم ممالک نے نہ صرف سویڈن کو اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا بلکہ اِن ممالک میں سکینڈے نیوئین ممالک کی اشیاء کا بائیکاٹ بھی کیا۔

رَواں سال جولائی میں تقریباً ہزاروں مظاہرین نے بغداد کے گرین زون میں ڈنمارک کے سفارتخانے کی طرف مارچ کی کوشش کی تھی۔سکیورٹی کی بگڑتی ہوئی صورتحال کے پیشِ نظر ڈنمارک نے عارضی طور پر سرحد پر سکیورٹی سخت کردی تھی۔

سویڈن کی عدالت اور پولیس نے تو باقاعدہ اسلام مخالف انتہاء پسندوں کو اجازت دی تھی کہ وہ عیدالاضحیٰ کے پہلے روز قرآن پاک کے نسخے کو جلا کر شہید کر سکتے ہیں، یہ اشتعال انگیز فعل سویڈن کے دارالحکومت سٹاک ہوم کی ایک مسجد کے باہر ہوا تھا۔مقامی میڈیا کے مطابق پولیس نے پہلے سکیورٹی خدشات کے باعث ملعون عراقی باشندے کو قرآن پاک جلانے کی اجازت نہیں دی تھی تاہم مقامی عدالت نے کہا کہ سکیورٹی کا کوئی خدشہ نہیں اور یہ اظہارِ رائے کی آزادی کا معاملہ ہے جسے ملکی قوانین کے تحت سلب نہیں کیا جا سکتا۔اِس سے قبل جنوری میں بھی سویڈن میں اِسی طرح کا واقعہ رونما ہو چکا تھا لیکن اِس مرتبہ باقاعدہ عدالت سے اجازت لے کر یہ قبیح فعل سرانجام دیا گیا اور عدالت نے بھی آزادیء اظہار کے نام پر اِس کی اجازت دے کر دو ارب سے زائد مسلمانوں کے دینی جذبات کو مجروح کیا تھا۔دنیا بھر میں اس شرمناک اور قبیح فعل کے خلاف مسلمانوں نے مظاہرے کیے تھے۔

اسلامی تعاون تنظیم (او آئی سی) کی جانب سے جاری کردہ بیان میں کہا گیا تھا کہ اِس مکروہ عمل کی مذمت کرتے

ہیں، یہ آزادی اظہار کی آڑ میں نفرت انگیزی ہے۔ مسلم ممالک نے تو اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا ہی؛ روسی صدر پیوٹن تک نے قران پاک کی اِس دانستہ بے حرمتی کی سخت الفاظ میں مذمت کی تھی اور سویڈش حکومت سے ایکشن لینے کا مطالبہ کیا تھا۔ واضح رہے کہ ڈنمارک واحد یورپی ملک نہیں ہے جو قرآن اور دوسرے مذہبی مواد کی بے حرمتی پر پابندی عائد کرنے جا رہا ہے بلکہ آسٹریا، بیلجیئم، ایسٹونیا فن لینڈ، جرمنی، اٹلی، پولینڈ اور رومانیہ میں بھی پہلے ہی ایسی پابندیاں موجود ہیں، روس سمیت کئی دیگر غیر اسلامی ممالک میں بھی قرآن اور دیگر الہامی کتب کی بے حرمتی کی اجازت نہیں ہے۔

ناروے اور خصوصاً سویڈن میں بھی ایسی قانون سازی کی اشد ضرورت ہے، ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سویڈن بھی اس پر غور کر رہا ہے۔ اِن ممالک کو ڈنمارک کی تقلید کرتے ہوئے جلد از جلد کوئی لائحہ عمل طے کرنا چاہئے۔

دنیا کے کسی ملک میں بھی اظہارِ آزادی کے نام پر دوسرے مذاہب کی بے حرمتی نہیں کی جانی چاہئے اور نہ ہی اِس کی اجازت دی جانی چاہئے۔ ہالینڈ اور فرانس میں مقدس شخصیات کے خاکے بنانے اور اُن کی تضحیک کی کوشش کے واقعات بھی سامنے آتے رہتے ہیں، حالانکہ یورپ کے 17 ممالک سمیت کینیڈا اور اسرائیل نے جرمنی کی جانب سے عام یہودیوں کی قتل و غارت (ہالوکاسٹ) سے انکار کے خلاف قوانین بنا کر اِس پر پابندی عائد کر رکھی ہے، فیس بک اور دوسرے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر اِن کے بارے میں بات کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن بعض ممالک دوسرے مذاہب کی تضحیک کو برائی نہیں سمجھتے بلکہ اسے آزادیء اظہار قرار دیتے ہیں۔

بہر حال یہ مقام شکر ہے کہ ڈنمارک نے اس معاملے میں پہل کی ہے؛ اس سے قبل پاکستان میں تحفظ ختم نبوت اور توہین رسالت کے قوانین کو ختم کرانے کے لیے انہی ممالک کی این جی اوز سرگرم رہی ہیں۔ سکنڈے نیوئین ممالک میں پے در پے رونما ہونے والے شرمناک واقعات نے یقیناً ان ممالک کی اشرافیہ کو یہ بات سمجھنے میں مدد دی ہے کہ آپ کسی کی مقدس شخصیات اور مقدس کتب کی توہین کر کے پر امن نہیں رہ سکتے۔ آزادیء اظہار کا حق کسی طور مادر پدر یا خود ساختہ آزادی کی اجازت نہیں دیتا، اُس کی بھی حدود و قیود ہیں اور معاملہ جب کسی دوسرے مذہب کا ہو تو پھر حق سے بڑھ کر فرائض مقدم ہو جاتے ہیں۔ اسلام میں تو کسی کے بھی خداؤں کو بُرا بھلا نہ کہنے پر زور دیا گیا ہے اور بلا شبہ یہی بہترین اصول ہے۔ یہ دنیا کسی ایک مذہب سے تعلق رکھنے والوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہاں ہر نسل، رنگ اور مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ بستے ہیں اِس لئے ایک دوسرے مذہبی جذبات کا احترام کرنا لازم ہے۔

☆☆☆

مقالات ومضامین

سرزمین اقصیٰ عہد بہ عہد

مولانا عبدالصمد سراج

سات اکتوبر کے بعد سے فلسطینی جاں بازوں نے جس بہادری، شجاعت اور دلیری کا مظاہرہ کیا ہے؛ دنیا اس پر انگشت بدنداں ہے۔ فلسطینی ماؤں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں نے ایسی شاندار استقامت کا مظاہرہ کیا ہے کہ تاریخ میں اس کی مثال کم کم ہی ملتی ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ فلسطین کی سرزمین پر ایسی خوفناک جنگ پہلی مرتبہ نہیں ہو رہی، قدیم زمانے سے ہی اس سرزمین کے سپوت اپنے دین اور دھرتی کے لیے جانوں کی بازی لگاتے چلے آئے ہیں۔

یوں تو مسجد اقصیٰ کی تاریخ ابتدائے انسان سے شروع ہوتی ہے جب سیدنا آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی، مگر بیت المقدس کی معلوم اسلامی تاریخ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے، جب آپ علیہ السلام نے عراق سے فلسطین کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں کے شہر الخلیل میں پڑاؤ ڈالا، سیدنا ابراہیم کے بڑے فرزند سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے مکہ آباد کیا اور آپ کے دوسرے فرزند سیدنا اسحاق علیہ السلام کے فرزند سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کو تعمیر کیا۔ اس کے چند سالوں بعد جب حضرت یوسف مصر کے بادشاہ بنے تو انہوں نے اپنے والدین اور تمام بھائیوں کو مصر بلا لیا، جہاں وہ خوب پھلے پھولے اور اس طرح مصر میں ان کی آبادی تیزی سے پھیلتی رہی۔ اس کے سینکڑوں سال بعد جب مصر پر فرعون (رعمیس) کی حکومت قائم ہوئی اور اس نے بنو اسرائیل پر ظلم وستم کی انتہا کر دی تو حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے بنو اسرائیل کو لے کر فلسطین کی طرف ہجرت کی۔ فرعون نے ان کا پیچھا کیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے بحر احمر میں ڈبو دیا گیا۔

فلسطین آ کر بنو اسرائیل نے طرح طرح کی نافرمانیاں شروع کر دیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں وادی تیہ میں چالیس سال تک کے لیے بھٹکا دیا۔ اسی دوران سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام نے عمالقہ جو اس وقت بیت المقدس پر قابض تھے؛ سے جنگ کی اور بیت المقدس کے علاقے کو فتح کیا۔ ان کے بعد طالوت کی قیادت میں ایک جنگ لڑی گئی جس میں سیدنا داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا، اس طرح فلسطین کے سارے علاقے پر سیدنا طالوت کی حکومت قائم ہوگئی۔ طالوت کے بعد سیدنا داؤد علیہ السلام بادشاہ بنے اور ان کے بعد آپ کے فرزند سیدنا سلیمان علیہ السلام کی زبردست حکومت فلسطین کے پورے علاقے پر قائم ہوگئی لیکن سیدنا سلیمان کے بعد جو بادشاہ بنا وہ انتہائی عیاش اور بدکردار تھا۔ اس نے اپنی قوم میں بے حیائی اور بت پرستی عام کر دی اور یہ بھی سابقہ اقوام کی اخلاقی اور

اعتقادی بیماریوں میں مبتلا ہوگئے، جس کی وجہ سے اللہ نے بابل کے بادشاہ بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا جس نے 578 قبل مسیح ایک زوردار حملہ کر کے سلطنت کے تمام چھوٹے بڑے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو پیوند خاک کر دیا، ہزاروں لوگوں کو تہہ تیغ کر دیا اور جو بچے اور عورتیں بچ گئے انہیں اپنے ساتھ عراق لے گیا۔ بخت نصر کی موت کے بعد وہ قیدی 70 سال بعد واپس فلسطین آ گئے اور انہوں نے شہر یروشلم کو پھر آباد کیا اور چھوٹی موٹی ریاست تشکیل دی، لیکن پھر ان میں وہی خرابیاں رونما ہوگئیں، جن کی وجہ سے کبھی یونانیوں نے کبھی بابلیوں اور کبھی رومیوں نے انہیں اپنا غلام بنایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان کے عوام ہی نہیں علماء کا طبقہ بھی اس قدر گمراہ تھا کہ شرک، بدکاری، انبیاء کے قتل اور شراب نوشی وغیرہ کو گناہ تک بھی نہیں سمجھتا تھا۔ ان یہودی ربیوں اور فریسیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قید کرانے اور پھر سولی پر چڑھانے کے لیے طرح طرح کی سازشیں اور کس قدر نیچ حرکتیں کیں، اس کی کچھ تفصیل موجودہ انجیلوں میں بھی مل سکتی ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماء کے بعد سن 70ء میں اللہ تعالیٰ نے ان پر رومی حاکم ٹیٹس کو مسلط کر دیا ہزروں یہودی قتل ہوئے اور باقیوں کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اس کے بعد یہود 1750 سال تک پھر کبھی اس سرزمین میں آباد نہیں ہو سکے۔

بیت المقدس اسلام کے زیر سایہ:

اسراء اور معراج کی رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر اور پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر اور پھر آسمان سے بیت المقدس کی طرف نزول اور پھر براق سے مکہ واپسی خود اس بات کے واضح اشارے تھے کہ اب بیت المقدس کی سرزمین جلد ہی اسلام اور مسلمانوں کے زیر سایہ آنے والی ہے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سولہ یا سترہ ماہ تک مسجد اقصیٰ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا، گویا اس بات کی صراحت تھی کہ اب یہ مقدس سرزمین نہ یہود کی ہے نہ عیسائیوں کی، یہ دین حق دین اسلام کے پیروکاروں کی ہے۔

17ھ بمطابق 638ء کو جب مسلمانوں نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ملک شام کو فتح کیا تو بیت المقدس کا بھی محاصرہ کر لیا۔ بیت المقدس کے پوپ نے جس کا نام صرفانیوس تھا، مسلمانوں کے سامنے یہ شرط رکھی کہ اگر آپ کے امیر المؤمنین بذات خود یہاں تشریف لائیں گے تو میں شہر کی چابیاں ان کے حوالے کروں گا۔ چنانچہ سیدنا عمر بن خطاب نے اپنے غلام کے ساتھ بیت المقدس کا سفر کیا اور بیت المقدس کے 'بطریق' نے شہر کی چابیاں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے کیں۔ آپ نے وہاں پر اپنا مشہور عہد لکھوایا جسے 'میثاق عمرؓ' کہا جاتا ہے جس میں آپ نے ایلیا یعنی بیت المقدس کے تمام عیسائیوں کے جان و مال اور عزت و آبرو اور گرجا و کلیساء کی حفاظت کی گارنٹی عطا فرمائی۔

اس فتح بیت المقدس میں تین ہزار سے زیادہ صحابہ کرام شریک تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد الاقصیٰ کے قریب ایک مسجد بنانے کا حکم دیا، جسے آج بھی مسجد عمر کہا جاتا ہے اور مؤذن رسول سیدنا بلال حبشی نے اذان دی اور مسلمانوں نے نماز ادا کی۔

مسجد اقصیٰ مختلف مسلم ادوار میں:

مسجد اقصیٰ خلفاء راشدین، خلافتِ بنوامیہ، خلافت بنوعباسیہ میں مسلمانوں کے ماتحت رہی۔ جب عباسی خلافت روبہ زوال ہونے لگی تو عالم اسلام میں کئی چھوٹی موٹی سلطنتیں وجود میں آگئیں جن میں سے ایک سلجوقی سلطنت تھی جو فلسطین اور شام میں تھی اور دوسری فاطمی سلطنت تھی جو مصر میں قائم تھی، اور یہ نہایت بدترین حکومت تھی۔ اس نے سلجوقی سلطنت پر حملے شروع کردیے اس لیے کہ بیت المقدس انہی کے زیر انتظام تھا، بالآخر انہوں نے بیت المقدس کو سلجوقیوں سے چھین لیا۔ جب یورپ کے عیسائیوں نے دیکھا کہ دو مسلمان ریاستیں بیت المقدس کے لیے آپس میں لڑ رہی ہیں تو انہوں نے 493ھ بمطابق 1099ء میں ایک زبردست حملہ کرکے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔ بیت المقدس کا فاطمی گورنر افتخار الدولہ مالی فدیہ دے کر بھاگ گیا اور تمام مسلمانوں کو اس فاطمی نے صلیبیوں کے حوالے کردیا، جنہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو شہید کردیا گیا۔ عزتیں لوٹی گئیں، بچے بوڑھے عورتیں، کسی کو بھی نہیں بخشا گیا، عین مسجد اقصیٰ کے اندر قتل وخون کا وہ بازار گرم کیا گیا کہ الامان والحفیظ۔ اس کے بعد مسجد اقصیٰ کو گرجا گھر میں تبدیل کردیا گیا اور قبۃ الصخرۃ پر صلیب نصب کردی گی اور مسجد اقصیٰ کے برآمدے کو گھوڑوں کا اصطبل بنایا گیا اور پھر نوے سال تک کے لیے مسجد اقصیٰ صلیبیوں کے ناپاک ہاتھوں میں چلی گئی اور عیسائی فلسطین کے ایک اچھے خاصے رقبے پر قابض ہوگئے۔

سلطان نورالدین زندگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی مجاہدانہ سرگرمیاں:

اللہ تعالیٰ نے اسی دور میں سلطان نورالدین زنگیؒ کو سرزمین شام میں صلیبیوں کے مقابلے کے لیے کھڑا کیا، مسجد اقصیٰ فتح کرنے کے بعد صلیبیوں کے حوصلے اتنے بلند ہوگئے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی فتح کے خواب دیکھنے شروع کردیے، بلکہ انہوں نے اپنا ایک لشکر جرار سمندری راستے سے رابغ روانہ کردیا تاکہ وہاں سے یہ لشکر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں پر حملہ آور ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ سلطان نورالدین زنگی کی قبر کو نور سے بھردے کہ انہوں نے انتہائی برق رفتاری کے ساتھ اپنی فوجوں کو خشکی کے راستے رابغ روانہ کردیا۔ رابغ کے ساحل پر اسلامی افواج صلیبیوں کے لیے موت بن کر تیار کھڑی تھیں، نورالدین زنگی کی افواج نے نہ صرف صلیبیوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا بلکہ ان کو اس طرح ختم کیا کہ ان کا کوئی فوجی پلٹ کر پھر فلسطین نہیں جاسکا۔ اس سے صلیبیوں کے حوصلے اس طرح پست ہوئے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے خواب بھول گئے، اسی دوران سلطان زنگی کی وفات ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ غازی ملت سلطان

صلاح الدین ایوبیؒ کو بیت المقدس کی آزادی کے لیے کھڑا کر دیا۔جنہوں نے بے شمار معرکوں میں یورپی صلیبیوں کو شرمناک شکستیں دیں، لیکن ان کی سب سے بدترین شکست حطین کے معرکہ میں ہوئی۔جس میں 30 ہزار سے زیادہ عیسائی مارے گئے اور 30 ہزار سے زیادہ گرفتار ہوئے جن میں اکثر یورپی ریاستوں کے شہزادے تھے، یہ معرکہ 25 ربیع الثانی 583ء بمطابق 4 جولائی 1187ء کو پیش آیا۔

اس معرکہ کے صرف تین ماہ بعد 27 رجب 583 کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو دوبارہ فتح کر کے مسجد اقصیٰ کو نصرانیوں کی غلاظت سے پاک کیا اور اس پر لگی ہوئی صلیب توڑی اور اس کے میناروں سے پھر سے اللہ اکبر کے صدا گونجنے لگی۔جب تک بیت المقدس صلیبیوں کے چنگل میں تھا، سلطان صلاح الدین ایوبی مرغ بسمل کی طرح تڑپتے رہے، ان کے چہرے پر حزن وملال کے آثار نمایاں رہتے تھے، کسی نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: كيف يطيب لى الفرح والطعام ولذة المنام وبيت المقدس بأيدى الصليبيين؟

’’مجھے کیونکر خوشی اور کیسے کھانا اچھا لگے اور کیسے آرام سے سونے کی لذت آئے جب کہ بیت المقدس صلیبیوں کے قبضے میں ہے؟۔‘‘

سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے ساتھ مصر کی فاطمی حکومت کو بھی ختم کر دیا جس نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے ہاتھوں میں گروی رکھ دیا تھا۔

مسجد اقصیٰ عثمانی خلافت میں:

عہد ایوبی کے بعد پھر مملوکوں کا دور آیا، اس دور میں بھی مسجد اقصیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں میں محفوظ رہی۔پھر ترکی کے عثمانی خلفاء بیت المقدس اور حرمین شریفین کے وارث بنے، انہوں نے بھی مسجد اقصیٰ اور حرمین شریفین کی بے مثال خدمت کی، انیسویں صدی کے اوائل تک بیت المقدس یا فلسطین کے علاقے میں یہود کوئی آبادی نہیں تھی، تقریباً 1750ء سال تک ان کا اس مقدس سرزمین پر کوئی وجود باقی نہیں رہا، 1838ء سے سرزمین فلسطین میں ان کی دلچسپی شروع ہوگئی اور اکا دکا یہودی خاندان فلسطین کی طرف ہجرت کرنے لگے۔

اسی دوران 1897ء میں ’’عالمی صیہونی تحریک‘‘ وجود میں آئی، جس کا بنیادی نصب العین سرزمین فلسطین پر قبضہ کرنا، ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کرنا اور اس علاقے میں ایک یہودی ریاست قائم کرنا تھا، دنیا کے بڑے بڑے یہودی سرمایہ داروں نے اس تحریک کے لیے اپنے خزانوں کے دہانے کھول دیے اور دنیا کے یہودیوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ فلسطین کی طرف ہجرت کریں اور وہاں فلسطینیوں کی زمینوں کو اونچے داموں میں خریدیں۔لیکن یہ کام خلافت عثمانیہ کی اجازت کے بغیر بڑے پیمانے پر نہیں ہوسکتا تھا۔اس کے لیے صیہونی تحریک کا عالمی صدر ٹیوڈور ہرٹزل خلافت

عثمانیہ کے سربراہ سلطان عبدالحمید ثانی سے ملاقات کے لیے استنبول گیا۔

سلطان عبدالحمید ثانی اور مسئلہ فلسطین:

عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید ثانی کا سب سے بہترین کارنامہ سرزمین فلسطین کے متعلق ان کی وہ واضح پالیسی اور دو ٹوک ردعمل تھا جس کی وجہ سے یہودیوں کو فوری کامیابی نہیں مل پائی۔ دنیا کی تمام صہیونی تنظیموں نے اپنے طور پر یہ کوشش کر لی کہ سلطان یہودیوں کو سرزمین فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دے، اس سلسلے میں عالمی صہیونی تنظیم کے صدر ''ٹیوڈور ہرٹزل'' نے 1890ء میں سلطان عبدالحمید ثانی سے ملاقات کی اور ان سے سرزمینِ فلسطین میں یہودیوں کو آباد ہونے کی اجازت طلب کی، اس کے بدلے میں انہیں 250 ملین فرانک بطورِ تعاون سلطنت عثمانیہ کو دینے کی پیشکش بھی کی اور یہ بھی یقین دہانی کرائی کہ فلسطین میں آباد ہونے والے یہود سلطنت عثمانیہ کے تابع وفرماں بردار دار ہوں گے اور سلطنت کے تمام قوانین ان پر لاگو ہوں گے اور اس سلسلے میں انہیں یقین کامل تھا کہ سلطان عبدالحمید ثانی ان کی شاندار پیش کش کو کبھی ٹھکرا نہیں سکتے، اس لیے کہ دولت عثمانیہ اس وقت اپنے بدترین مالیاتی بحران سے گزر رہی تھی۔ دوسو پچاس ملین فرانک کا تعاون ایسا تھا کہ جس سے سلطنت عثمانیہ کی کئی مشکلات وپریشانیوں کا مداوا ہو جاتا اور سلطان عبدالحمید ثانی کی روشن خیالی اور مذہبی رواداری کے ڈنکے چہار دانگ عالم میں بجائے جاتے، اس کے ساتھ ہی سلطنت عثمانیہ کو اور سلطان کو بقاء کی مہلت کے کچھ سال مزید مل جاتے لیکن سلطان عبدالحمید ثانی نے ان تمام مادّی اور سونے چاندی کے ڈھیر کو دیکھ کر اپنے ایمان کا سودا کرنے سے صاف انکار کر دیا، ''ٹیوڈور ہرٹزل'' اور اس کے وفد کو واضح اور دوٹوک الفاظ میں بتلا دیا:

واللّٰہ لقبضة تراب قدس أحب إلى مما ترغبوننى إليه إن أرض فلسطين حصلوا آبائنا بالدماء ولا يحصل منى بالفلوس ما دمت حيا، فإذا مت لعلكم تحصلونه مجّانا. ومستحيل أن أبيع فلسطين ولو شبرا منها، أرض فلسطين ليست أرضى، إنها أرض الأمة، فليحتفظ اليهود بملاينهم، وإنهم يستطيعون الإستيلاء على فلسطين وبدون مقابل فى حالة واحدة فقط ألا وهى إنهيار الدولةالعثمانية .والصيهونيون يريدون إنشاء حكومة لهم وإنتخاب ممثلين سياسيين لهم، وإنى أفهم جيدا معنى تصوراتهم الطامعة، وإنهم لسذج إذا تصوروا إنى سأقبل محاولاتهم إن هرتزل يريدون أرضا لإخوانه فى دينه لكن الذكاء ليس كافيا لحل كل شيء .و لماذا القدس؟ إنها أرضنا فى كل وقت وفى كل زمان وستبقى كذلك، فهى من مدننا المقدسة وتقع فى أرض إسلامية، لا بد

أن تظل القدس لنا. و تكون قد وقعنا قرارا بالموت عل إخواننا فى الدين– يقصد الفلسطينيين– إذا لم تتوقف عملية توطين اليهود فى فلسطين ومهاجرتهم إليها.

(السلطان عبدالحمید الثانی، د. محمد حرب:90)

''اللہ کی قسم! بیت المقدس کی ایک مٹھی بھر مٹی مجھے اس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس کی تم مجھے لالچ دلا رہے ہو۔

فلسطینی سرزمین کو ہمارے آباؤاجداد نے اپنے خون سے حاصل کیا تھا اور جب تک میں زندہ ہوں یہ مجھ سے پیسوں کے بدلے نہیں خریدی جاسکتی، جب میں مرجاؤں تو شاید تم اسے مفت ہی حاصل کرلو۔

یہ میرے لیے ناممکن ہے کہ میں سرزمین فلسطین کی ایک بالشت زمین بھی فروخت کروں، اس لیے کہ یہ سرزمین میری نہیں بلکہ امت کی ہے، یہود اپنے کوئی ملین کی رقم کو اپنی جیب میں رکھیں اور وہ سرزمین فلسطین پر صرف ایک ہی حالت میں مفت میں قبضہ کرسکتے ہیں اور وہ اسی وقت ہوگا جب کہ سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہو جائے۔صیہونی اپنے سیاسی نمائندوں کو منتخب کرکے، سرزمین فلسطین پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور میں ان کے لالچی ارادوں کو اچھی طرح بھانپ چکا ہوں، وہ نہایت سادہ ہوں گے اگر انہوں نے میرے متعلق یہ گمان کرلیا کہ میں ان پیشکش کو قبول کرلوں گا، ''تھیوڈور ہرٹزل'' اپنے دینی بھائیوں کے لیے ایک ہوم لینڈ چاہتا ہے، لیکن اسے یاد رکھنا چاہیے کہ مکاری ہر مسئلہ کو حل کرنے کے لیے کافی نہیں۔

آخر یہود قدس کے پیچھے ہی کیوں پڑے ہیں؟ سرزمین فلسطین ہر وقت اور ہر زمانے میں ہماری سرزمین رہی ہے اور اسی طرح ہماری رہے گی، یہ ہمارے مقدس شہروں میں سے ایک ہے اور اور اسلامی سرزمین پر واقع ہے، تو اس لیے ضروری ہے کہ بیت المقدس ہمارے قبضے میں رہے۔

اگر سرزمین فلسطین میں یہودیوں کو وطن بنانے اور اس کی طرف ان کی ہجرت کو نہ روکا جائے تو گویا کہ ہم اپنے دینی (فلسطینی) بھائیوں کی قراردادِ موت پر دستخط کررہے ہیں۔''

سلطان عبدالحمید ثانی نے ایک لمحے کے لیے بھی اس بات کو برداشت نہیں کیا کہ دنیا کی ایک رذیل ترین قوم اس مقدس سرزمین پر آباد ہوکر ملت اسلامیہ کے سینے میں خنجر گھونپے، حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کا یہ اقدام ساری دنیا کے صہیونی، صلیبی اور ماسونی تنظیموں کو سیخ پا کردے گا اور یہ ساری طاقتیں اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ، ان کی ذات کے خلاف ایک بھرپور پروپیگنڈے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوں گی اور سلطنت عثمانیہ کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کریں گی، لیکن ان تمام خدشات کے باوجود اس سلطان نے ایک لمحے کے لیے بھی اپنے موقف میں کوئی لچک

نہیں دکھائی، بلکہ پوری جراءت کے ساتھ اپنے اقتدار اور سلطنت کی قربانی دینے کے لیے تیار ہوگیا، پھر وہ وقت بھی آیا کہ صیہونیوں نے 25/04/1909 کو سلطان عبدالحمید ثانی کو خلافت سے معزول کرادیا، لیکن افسوس کہ صہیونیوں اور ماسونیوں نے یہ کام بجائے خود انجام دینے کی بجائے محمود شوکت پاشا اور مصطفیٰ کمال پاشا (اتاترک) جیسے ضمیر فروشوں سے کروایا، جو اپنے آپ کو مسلمان اور ترک کہتے اور اتحاد و ترقی کا نقیب گردانتے تھے۔

اس طرح مسجد اقصیٰ کا وہ عظیم محافظ جس نے صہیونیوں کی ناک میں نکیل ڈال رکھی تھی، یہودیوں کی سازشوں اور امت اسلامیہ کے غداروں کی بھینٹ چڑھ گیا۔

مسجد اقصیٰ اور صہیونی سازشیں:

صہیونیوں نے دیکھا کہ جب تک سلطنت عثمانیہ باقی ہے، اس وقت تک فلسطین اور بیت المقدس کے متعلق اس کے عزائم پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے لیے انہوں نے ترکی افواج میں زیادہ سے زیادہ اپنے ایجنٹوں کو بھرتی کروایا جو نام کے تو مسلمان تھے لیکن ان کے دل و دماغ یہودیوں کے پاس گروی تھے، اسی دوران 28 جولائی 1914ء کو پہلی عالمی جنگ چھڑ گئی، جس میں ایک طرف جرمنی اٹلی اور اس کے حلفاء تھے تو دوسری طرف برطانیہ، فرانس، روس اور امریکہ وغیرہ تھے، اس میں سلطنت عثمانیہ کا اپنا کوئی مسئلہ نہیں تھا اور نہ ہی اس جنگ سے اس کا کوئی قریب یا دور کا تعلق تھا، لیکن صہیونیوں کے پلان پر عمل کرتے ہوئے غدار ملت مصطفیٰ کمال اتاترک نے سلطنت عثمانیہ کو زبردستی اس جنگ میں داخل کر دیا۔ ادھر برطانیہ نے عربوں کو ترکوں کے خلاف بھڑکا کر انہیں عظیم 'عرب سلطنت' (جس میں حجاز، عراق، شام اور فلسطین شامل ہوں) کا خواب دکھایا، جس سے متاثر ہو کر شریف مکہ حسین بن عبداللہ نے ترکوں سے بغاوت کا اعلان کر دیا، اور لارنس آف عربیہ نے کئی عرب بدو قبائل کو ترکی افواج کے خلاف بھڑکا دیا، جس کی وجہ سے سارا عرب خلافت عثمانیہ سے باغی ہو کر برطانیہ اور فرانس کی سازشوں کا شکار ہوگیا۔ اسی دوران صیہونیوں کی عالمی تنظیم کے صدر وائز مین نے انگریزوں کو یہ پیش کش کی کہ اگر وہ جنگ جیت کر فلسطین کی سرزمین پر یہودیوں کا وطن قائم کر دیں تو اس جنگ میں یہودیوں کے سارے خزانے ان کے قدموں تلے قربان کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ برطانیہ کے وزیر خارجہ جیمس بلفور نے 2 نومبر 1917ء کو یہودیوں سے یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کے لیے فلسطین میں ایک ہوم لینڈ قائم کریں گے، تاریخ میں اسے معاہدہ بلفور یا اعلان بالفور (Balfour declaration) کہا جاتا ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی سارے دنیا کے یہودیوں نے فلسطین کی طرف ہجرت کرنی شروع کر دی۔ اور ان کی آبادی میں بے تحاشہ اضافہ ہونے لگا، آخر 11 نومبر 1918ء کو پہلی جنگ عظیم کا خاتمہ ہوا، جس کے نتیجے میں خلافت عثمانیہ خزاں کے پتوں کی طرح بکھر گئی۔ ☆

شخصیت

شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد قاسم رحمہ اللہ

ایک روشن کردار جامع شخصیت

مولانا شکیل احمد ظفر

کون جانتا تھا کہ بستی کرم پور ککڑ ہٹہ کبیر والا کے ایک گم نام قصبہ میں پیدا ہونے والا بچہ اپنے دور کی عظیم، دینی اور روحانی نسبتوں کا نہ صرف امین کہلائے گا بل کہ علم وفضل، اخلاص وللٰہیت، عزم مصمم و جہد مسلسل، سادگی وقناعت شعاری اور فکر امت واحساس امت کی ایک مجسم شکل بن کر اپنے پیچھے علمی بصیرتوں کے ان مٹ نقوش چھوڑے گا۔

تاریخ پیدائش:......انہوں نے 1365 ہجری بمطابق 1946 عیسوی کو اس جہان رنگ و بو میں آنکھ کھولی۔

زمانہ طالب علمی:...... ابتدائی عصری تعلیم انہوں اپنے گاؤں کرم پور جوتہ کے پرائمری اسکول میں حاصل کی۔سالانہ امتحان انہوں نے امتیازی پوزیشن میں پاس کیا جس پر انہیں سرکار کی طرف سے وظیفہ بھی دیا گیا، بعد ازاں انہوں نے قاری امیر محمد صاحب رحمہ اللہ سے صرف نو ماہ اور گیارہ دن کے مختصر عرصے میں حفظ قرآن کی عظیم سعادت حاصل کی۔خود فرماتے تھے کہ دوران حفظ کبھی سبق کا ناغہ کیا اور نہ ہی استاذ کو کبھی غصے ہونے کا موقع دیا۔

آپ نے ملک پاکستان کے قدیم اور معروف ادارے جامعہ دارالعلوم کبیر والا میں درس نظامی کے نصاب کی چھ سال کے عرصے میں تکمیل کی، آپ بہت محنت کیا کرتے تھے اور وقت ضائع کرنا نہایت معیوب سمجھتے تھے۔سبق کے ناغہ سے انہیں شدید نفرت تھی۔فرمایا کرتے تھے میں نے اپنی شادی کے دن بھی اسباق سے چھٹی نہیں لی، والد ماجد دنیا سے رحلت فرما گئے تب بھی ناغہ نہیں کیا، جنازہ پڑھا اور واپس لوٹ آئے۔

آپ کی قابلیت واستعداد کا یہ عالم تھا کہ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب ترمذی شریف کا سبق اردو میں پڑھاتے اور آپ اسی وقت اس درسی تقریر کو عربی زبان میں قلم بند کر لیتے تھے۔ہر امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرتے تھے۔

اساتذہ:......آپ نے دارالعلوم میں رہتے ہوئے وقت کے کبار مشائخ وعلماء عظام کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے۔آپ کے اساتذہ میں دارالعلوم دیوبند کے فاضل وسابق استاذ اور دارالعلوم کبیر والا کے بانی ومہتمم مولانا عبد الخالق صاحب، ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ فاضل دارالعلوم دیوبند مولانا منظور الحق صاحب، فاضل دیوبند حضرت مولانا

ظہور الحق صاحب، سابق مہتمم دار العلوم کبیر والا حضرت مفتی علی محمد صاحب، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سابق امیر مرکزیہ حکیم العصر مولانا عبد المجید لدھیانوی صاحب اور محدث العصر حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب جیسی نابغہ روزگار شخصیات شامل ہیں۔

فن مناظرہ میں انہوں نے حضرت مولانا دوست محمد قریشی صاحب اور فاتح قادیان مولانا محمد حیات رحمہ اللہ سے درِ نایاب سمیٹے۔ تفسیر قرآن پاک میں آپ نے مفسر قرآن مولانا عبد اللہ بہلوی صاحب اور حافظ الحدیث حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی صاحب رحمہ اللہ سے کسب فیض کیا اور فن قرائت وتجوید میں آپ نے شیخ القراء حضرت قاری فتح محمد پانی پتی اور شیخ القرآن قاری محمد شریف صاحب (لاہور) کی شاگردی اختیار کی۔ان سب بزرگ اساتذہ کی صحبت وخدمت نے آپ کو ادب وفن کا کندن بنا دیا تھا۔

تدریسی خدمات:...... جب آپ درسی علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو ارباب مدارس ان پر ٹوٹ پڑے مگر آپ اپنے محسن استاذ مولانا عبد المجید لدھیانوی رحمہ اللہ کے حکم پر جامعہ قادریہ تلمبہ میں مجاہد اسلام مولانا سید نیاز احمد شاہ گیلانی رحمہ اللہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے 1967ء تا 1976ء تدریسی خدمات اس شان سے فراہم کیں کہ روزانہ آپ اٹھارہ سبق پڑھاتے نہیں تھکتے تھے۔

ایک بار حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبندی تلمبہ تشریف لائے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ آپ روزانہ کتنے سبق پڑھاتے ہیں؟

انہوں نے جواب میں اٹھارہ سبق شمار کر کے بتائے۔

حضرت حکیم الاسلام نے ظرافت ولطافت بھرے لہجے میں مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آپ اس انتظار میں ہوں گے کہ میں آپ کی تعریف کروں؟...... سنیے! مولوی صاحب! مشینری ہے، جلدی گھس جائے گی۔

دار العلوم کے اساتذہ آپ کو دار العلوم میں لے آئے، جہاں آپ نے اپنے استاذ گرامی قدر مولانا منظور الحق رحمہ اللہ کی جگہ صرف ونحو کی کتب پڑھائیں۔

اس زمانے میں آپ کی تدریس کا شہرہ دور دور تک جا پہنچا، یہاں آپ نے 1976ء تا 1982ء اپنے مشفق اساتذہ کے زیر سایہ تدریسی میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ اس کے بعد آپ جامعہ عثمانیہ شورکوٹ سٹی درویش منش عالم دین حضرت مولانا بشیر احمد خاکی رحمہ اللہ کے ہاں تشریف لے آئے اور آپ نے یہاں 1982ء تا 1986ء تدریسی سلسلہ جاری رکھا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں جس مدرسے میں بھی رہا ہوں تو میں ہر وقت اس مدرسہ کی تعمیر وترقی کے لیے کوشاں

بھی رہتا تھا اور سرگرداں بھی۔

جامعہ خالد بن ولید وہاڑی کا قیام:......میں جن دنوں دار العلوم میں تھا وہاں ایک صاحب آتے اور مجھے کہتے تھے کہ "مولوی صاحب! ہم زمین داروں کا تجربہ ہے کہ جو ایمان دار مزارع ہوتا ہے وہ ایک نہ ایک دن زمین دار بن ہی جاتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ مدرسہ بنائیں گے اور ان شاء اللہ وہ مدرسہ چل بھی جائے گا۔"

آپ کے دل و دماغ میں ایک عرصے سے یہ خواہش پروان چڑھ رہی تھی کہ آپ دینی علوم وعصری فنون کے حسین امتزاج کی حامل ایک عظیم الشان درس گاہ کی بنیاد رکھیں، جس میں طلبا دین کو ایک طرف قرآن وحدیث کی معیاری تعلیم ملے اور دوسری طرف انگلش وسائنس کا بھی بہترین نظم ہوتا کہ اس مدرسے کے فضلا میں حالات کے تقاضوں اور مستقبل کے چیلنجز سے عہدہ برآ ہونے کی مکمل استعداد پیدا ہو جائے۔

آپ نے اسی داعیہ کے پیش نظر 1986ء میں ضلع وہاڑی کے علاقے ٹھینگی میں اپنے مخلص دوست ومعاون حضرت حاجی دوست محمد خان کھچی صاحب کے ہمراہ آٹھ ایکڑ اراضی پر مشتمل ادارے کا قیام عمل میں لائے اور اپنی زندگی ہی میں شبانہ روز محنت کر کے اس یونیورسٹی نما مدرسے کو ہر اعتبار سے بام عروج تک پہنچایا۔

آپ اتحاد امت کے بھی بہت بڑے داعی تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ اہل علم ودانش کا طبقہ بلند تر دینی مفادات کے حصول کے لیے ایک پلیٹ فارم پر یک جا ہو جائے۔

تحریکی خدمات:......آپ بلند ہمت وسیع النظر اور کشادہ دست تھے۔ آپ علمی، تدریسی اور انتظامی میدان میں تو آگے ہی تھے مگر وہ تحریکی میدان میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ جب 1974ء میں تحریک ختم نبوت چلی تو آپ اس میں دیوانہ وار شریک ہوئے اور 1977ء میں "تحریک نظام مصطفیٰ" میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ ان دونوں تحریکوں میں آپ کو "پس زنداں" بھی جانا پڑا۔ تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں آپ کے ساتھ سابق وفاقی وزیر ریلوے خواجہ سعد رفیق کے والد خواجہ رفیق صاحب بھی قید رہے۔

وفاق کی مجلس عاملہ کی رکنیت:......جب مولانا عبد المجید لدھیانوی رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو ان کی جگہ پر پاکستان کے سب سے بڑے دینی تعلیمی بورڈ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کی رکنیت کے لیے اس وقت کے صدر وفاق شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کی نظر انتخاب آپ پر ٹھہری۔

ناظم اعلیٰ وفاق حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب نے پہلے انہیں فون پر اس فیصلے کی اطلاع دی تو راقم الحروف اس وقت آپ کے پاس تھا، آپ بے اختیار رو دیے اور قاری صاحب سے کہنے لگے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں، ازراہ کرم مجھے معذور تصور کیا جائے۔

جواب میں قاری صاحب فرمانے لگے کہ نہیں، حضرت! آپ اہل ہیں اور آپ صدر صاحب کا انتخاب ہیں۔قبول فرمائیں! اللہ آسانی فرمائیں گے۔

راقم نے ایک معصومانہ سا سوال کیا کہ استاذ محترم! وہاں کیا کرنا ہوتا ہے؟

آپ جواب میں فرمانے لگے: ''بیٹا!...... یہ ایک بہت بڑا بوجھ ہے، ایک اچھا اور مفید مشورہ بروقت دینا، ایک بڑی آزمائش ہوتا ہے۔ مجلس عاملہ نے لاکھوں طلبہ اور ہزاروں مدارس کے تعلیمی مستقبل کا تعین کرنا ہوتا ہے، اس مجلس میں پاکستان کے چند دماغ ہوتے ہیں، ان میں سے ایک میں بھی شمار کیا جاؤں گا تو سوچیے! یہ کتنی بڑی ذمہ داری ہے؟ میرے اندر اتنی اہلیت نہیں ہے کہ میں یہ بھاری بھرکم کام انجام دے سکوں۔''

خیر سے انہیں حضرت صدر وفاق کی رائے اور حضرت ناظم اعلیٰ کی تائید سے رکن عاملہ تعینات کر دیا گیا۔

جب شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد قاسم نور اللہ مرقدہ وفاق کے اجلاسوں میں شرکت کے لیے تشریف لے جاتے تو راقم الحروف کو ایک خادم کی حیثیت سے ساتھ لے جاتے۔ ایک اہم ترین اجلاس کے بعد جامعہ دار العلوم کراچی کی پرشکوہ مسجد کے سامنے مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے درمیان سر راہ ملاقات ہوئی تو مفتی صاحب نے آپ کو ان الفاظ میں داد و تحسین سے نوازا کہ

"مولانا! آپ کم بولے مگر بڑا کام کا بولے۔ آپ کی گفتگو "خیر الکلام ما قل ودل" کا مصداق تھی۔"

اس سے ملتے جلتے تأثرات کا اظہار نائب صدر وفاق حضرت مولانا انوار الحق حقانی صاحب مدظلہ نے بھی کیا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقیع مجلس میں آپ کے مشورے اور احساسات، اکابر کی نگاہ میں پسندیدگی سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ برس ہا برس نصاب کمیٹی اور آخری ایک سال وفاق کی دستور ساز کمیٹی کے ممبر رہے۔ اللہ نے آپ کو فطرتاً حق گو بنایا تھا، آپ جو بات مناسب اور درست سمجھتے تو بلا خوف تردید بھری محفل میں بھی کہہ دیتے تھے۔

درس بخاری شریف:...... آپ نے تیئیس سال درس بخاری شریف دیا اور درس نظامی کی تقریباً تمام کتب آپ کے زیر تدریس رہیں۔ آپ کے درس بخاری کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ کسی بھی حدیث کو محض "عبارت خوانی" کے نذر نہیں کرتے تھے۔ آپ کی حتی الوسع کوشش ہوتی تھی کہ آپ مکرر احادیث کا بھی سلیس ترجمہ اور مفہوم بیان کر دیں۔

بیعت وخلافت:...... انہیں امام الاولیا حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ سے بیعت کا اعزاز حاصل تھا، ان پر شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ کی صحبت نے اپنا رنگ چڑھایا، حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز، عاشق رسول حضرت سید انور حسین نفیس الحسینی رحمہ اللہ نے اجازت وخلافت سے نوازا اور مولانا عبد المجید

لدھیانوی صاحب نے انہیں جلسہ عام میں "اصلاح خلق خدا بصورت بیعت" کا مشورہ دیا،صدر وفاق شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے آپ کو خلافت بھی دی اور آپ کے لیے "مولانا الموہوب" کے زرّیں اور مبارک الفاظ تحریر فرمائے اور شیخ طریقت مولانا ناصر الدین خاکوانی صاحب دام ظلہ نے انہیں مظفر گڑھ کے اپنے جلسے میں دستار خلافت پہنائی۔

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

حلقہ احباب وشاگرداں:......آپ کا حلقہ ارادت عرب وعجم تک پھیلا ہوا تھا،آپ کے شاگردوں کا بھی ایک وسیع سلسلہ تھا،آپ کے پاک و ہند اور عرب دنیا کے جلیل القدر علما سے ذاتی نوعیت کے تعلقات تھے۔امام حرم مکی شیخ علی عبداللہ الجابر رحمہ اللہ اور آپ کے درمیان ایک لطیف احساس پہ مبنی وابستگی تھی۔

تجہیز وتکفین کے متعلق وصیت:......شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے اپنی وفات سے قبل راقم کو اپنی تجہیز وتکفین کے متعلق وصیت نامہ ریکارڈ کرایا جس میں انہوں نے فرمایا کہ

"مجھے کھدر کا کفن پہنایا جائے،میری قبر میں لوہے یا آگ پہ پکی کوئی چیز نہ رکھی جائے،لحد بنائی جائے اور اگر کسی وجہ سے لحد نہ بنائی جاسکتی ہو تو پھر شق کی صورت تو متعین ہے۔"

اس کے علاوہ آپ نے کئی بار فرمایا کہ جس دن میرا انتقال ہو،اس دن بھی جامعہ میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ تعطل کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔حسب معمول اسباق ہونے چاہئیں۔فرمایا کہ تدفین کے بعد میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر کچھ دیر تک سورہ بقرہ کی تلاوت کرتے رہیے گا،اس طرح منکر نکیر کے سوال کے وقت انسیت کا احساس ہوگا۔

وفات حسرت آیات:......علم وعمل کا چمکتا دمکتا اور ہر سو نورانی روشنیاں بکھیرتا ہوا آفتاب 9 ستمبر 2022ء بروز جمعہ مبارک بعد نماز فجر نشتر ہسپتال کے آئی سی یو وارڈ میں "اللہ اللہ" کرتا غروب ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون!۔

نماز جنازہ:......آپ کا جنازہ مولانا حافظ ناصر الدین خاکوانی صاحب نے پڑھایا اور عوام وخواص کے جم غفیر نے شرکت کی،ایک محتاط اندازے کے مطابق شرکا کی تعداد پونے دولاکھ سے متجاوز تھی۔

تدفین:......اس گنجینہ علوم ومعارف شخصیت کو جامعہ خالد بن ولید وہاڑی کے احاطہ میں قبرستان کے لیے مختص جگہ میں دفن کر دیا گیا۔

دفن تجھ میں کوئی فخر روزگار ایسا بھی ہے
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آب دار ایسا بھی ہے

اشتہار